زندگی میں رمضان المبارک کا مہینہ ایک مرتبہ پھر سے پانے پر' ادارہ طلوع اسلام' اپنے قارئین کو مبارک باد پیش کرتا ہے۔

قرآنی فکر کو دوسروں تک پہنچانا یوں تو ایک مسلسل عمل ہے تاہم رمضان المبارک میں اس پر خصوصی توجہ دیجئے۔ پرچہ دوسروں کو پڑھایئے۔ پمفلٹس گھر گھر پہنچایئے اور ہو سکے تو افطار کے لئے دوستوں کو گھر بلایئے کہ رابطہ باہمی استوار کرنے کا یہ بہترین موقع ہے۔

ایاز حسین انصاری

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماہنامہ ______ لاہور

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660 ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-876219

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ طلوع اسلام	2
ہماری معاشی بیماریاں اور علاج	بشیر احمد عابد (کویت)	9
فرقہ پرستی کا انسداد قرآن کی روشنی میں	محمد عمر دراز (لاہور)	21
تعلیم سے کیا حاصل	محمد عاطف طفیل (لاہور)	27
اللہ کی مرضی	آصف جلیل (سعودی عرب)	30
بانی تحریک کا پیغام	علامہ غلام احمد پرویزؒ	33
کیا جرم قتل عمد قابل راضی نامہ ہے؟	سکندر صاحبزادہ (پشاور)	35
عورتیں بھی انسان ہیں؟	نویدہ حسن (فیصل آباد)	41
اگلا قدم	حنیف وجدانی (مری)	44
ایک توانا مگر مظلوم آیت	رحمت اللہ طارق (ملتان)	46
قرآن میں ہے	پروفیسر نجمی صدیقی (راولپنڈی)	48
یہ خدا کا عذاب تو نہیں	ایف۔ ڈی فاروقی (بریڈ فورڈ)	49
روزہ کے احکام	علامہ غلام احمد پرویزؒ	54
نقد و نظر	ادارہ طلوع اسلام	58

انتظامیہ:- چیئرمین: ایاز حسین انصاری -- ناظم: محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول: محمد لطیف چوہدری -- مجلس ادارت: میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر --
ناشر: عطاء الرحمٰن ارائیں
طابع: خالد منصور نسیم -- مطبع: النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔
مقام اشاعت: 25-B گلبرگ 2 لاہور۔ 54660

جلد 49 | شمارہ 1 | جنوری 1996ء

بدل اشتراک

فی پرچہ =/10 روپے
اندرون ملک سالانہ 120 روپے
ایشیا' افریقہ' یورپ 550 روپے
آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا 750 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

آشیاں جس شاخ پہ --------

پاکستان اس لئے حاصل کیا گیا تھا کہ اس میں اللہ کا عطا کردہ نظام حیات 'اسلام' بطور نظام مملکت نافذ کیا جائے گا۔

"اسلام بطور نظام مملکت" کی اصطلاح پر توجہ مرکوز رکھئے گا کہ جو بات کہی جا رہی ہے' اس میں محور یہی ہو گا"۔

پاکستان کا تصور دینے والے' عالم اسلام کے عظیم مفکر' علامہ محمد اقبالؒ نے جب 1930ء میں' الٰہ آباد کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اس تصور کو قوم کے سامنے پیش کیا' تو اس سے حاصل ہونے والے مقصد کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ :

"اس سے اسلام کو اس امر کا موقعہ ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی ملوکیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں' اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن' شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کی صحیح معنوں میں تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے"۔

(خطبہ صدارت 1930ء)

اپنے اس خطبہ میں انہوں نے مزید وضاحت فرمائی کہ :

اسلام' نہ تو (خدا اور بندے کے مابین) کسی نجی معاملہ کا نام ہے اور نہ ہی یہ کوئی کلیسائی نظام ہے (جس کی بنیاد تھیاکریسی پر ہوتی ہے)۔ یہ ایک ایسی مملکت (سٹیٹ) کا نام ہے جس کا اظہار' روسو سے بھی بہت پہلے' ایک ایسی شکل میں ہوا' جو میثاق اجتماعی کی پابند تھی اور جس کی بنیاد ایک اخلاقی نصب العین پر تھی"۔

اپنی زندگی ہی میں انہوں نے مسلمانان ہند کی اس سیاسی جنگ کی قیادت کے لئے محمد علی جناحؒ جیسے دیدہ ور اور بلند ترین کردار کے سالار کا انتخاب کیا۔ جب حضرت قائداعظمؒ نے اس معرکہ دین و وطن کی قیادت سنبھالی اور اپنی الگ مملکت کے قیام کے مقاصد قوم کے سامنے پیش کئے تو قوم کے افراد' ابتداً" ایک ایک' دو دو اور بعد میں ہجوم در ہجوم ان کے جھنڈے تلے جمع ہوتے چلے گئے اور اس طرح ملت اسلامیہ ہندیہ اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگی اور آخرکار پاکستان کی شکل میں ایک آزاد مملکت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ حضرت

قائداعظمؒ نے جہاں بھی موقع میسر آیا' اس نئی مملکت کے مقاصد کی وضاحت فرمائی۔ 1941ء میں آپ حیدر آباد (دکن) تشریف لے گئے اور وہاں کی عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبا سے خطاب فرمایا۔ طلبا نے آپ سے سوال کیا کہ اس اسلامی مملکت کی بنیادی خصوصیت کیا ہو گی اور یہ کس طرح دنیا کی باقی مملکتوں سے منفرد ہو گی۔ اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ۔

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ' قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ (چونکہ آپ ایک بلند پایہ مقنن تھے' اس لئے تعمیل کے اس عملی ذریعہ کے مفہوم کو تشنہ یا مبہم نہیں چھوڑا' بلکہ اسے ان الفاظ میں واضح کیا کہ) اسلام میں **اصلاً** نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے' نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ **قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔** اسلامی حکومت' دوسرے الفاظ میں' قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی کا نام ہے"۔

غور فرمایئے کہ تصور پاکستان دینے والے اور حصول پاکستان کا معرکہ سر کرنے والے ہمارے دونوں عظیم زعماء نے حصول پاکستان اور اس میں مجوزہ نظام حکومت کے متعلق کس قدر واضح تصور قوم کے سامنے پیش کیا۔

یہ وہی تصور ہے جسے اسلامی حکومت کے اولین سربراہ' حضور نبی اکرمؐ نے عملاً تشکیل دیا کیا یعنی :

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (12/40 و دیگر مقامات)۔ حق حکومت صرف اللہ کے لئے ہے۔ یعنی سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے۔

اس نظام مملکت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرمؐ کو جو ضابطہ ہدایت عطا فرمایا اور جسے آپؐ نے بتمامہ انسانیت تک پہنچا دیا' اس میں اس نظام کی حدود (Boundary Lines) تو اس حاکم مطلق نے خود ہی مقرر فرما دیں لیکن ان کی جزئیات (By-Laws) خود متعین نہیں کیں۔ اس کے لئے حضورؐ کو ہدایت دی گئی کہ :

شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (3/159)۔

"اے رسول! معاملات طے کرنے کے لئے) ان سے (اپنے رفقاء سے) مشورہ کیا کرو"۔ اور اس جماعت کے طریق کار کے متعلق ارشاد فرمایا کہ :

اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (42/38)۔

"ان کے امور باہمی مشورہ سے طے پائیں گے"۔

لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ اسلام کا نظام مملکت "شورائی نظام" ہو گا۔ اور اس شورائیت میں تمام امت (کوئی خاص گروہ یا افراد نہیں' بلکہ تمام امت) شریک ہو گی۔ قرآن کریم نے امت کے باہمی مشورہ کا بنیادی اصول تو عطا فرمایا ہے لیکن اس کی ہیئت ترکیبی خود متعین نہیں کی۔ اس کے لئے اس نے امت مسلمہ کو آزادی دی کہ وہ قرآن حکیم میں بیان کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے' اپنے اپنے وقت میں مناسب ترین شکل اختیار کر لیں۔

البتہ اس نے (قرآن کریم نے) کارپردازان حکومت کی اہلیت کے لئے کچھ معیار مقرر کئے ہیں اور ان کی پابندی اسلامی نظام کے کارفرما رہنے کے لئے ضروری قرار دی ہے۔ وہ یہ ہیں :-

i- امانتیں ان کے حوالے کی جائیں جو ان کا بوجھ اٹھانے کے اہل ہوں (4/58)۔

ان سے کہا کہ

ii- جب بھی لوگوں کے کسی معاملہ میں فیصلہ کرو تو "عدل" کے تمام تقاضوں کو مدنظر رکھو (4/58)۔

iii- ان کی فضیلت یعنی درجات کا معیار یہ بتایا کہ وہ اپنی زندگی میں کس قدر قوانین ربانی کی نگہداشت کرتے ہیں (49/13) یعنی وہ اس بات کا کس قدر پاس کرتے ہیں کہ کہیں بھی ان سے قوانین خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ (وہ راہ تقویٰ اختیار کئے رکھیں)۔ جس شخص نے سب سے بڑھ کر اپنی زندگی کو' قوانین خداوندی کے تابع رکھا ہو' وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے بلند مرتبہ کا حامل ہو گا۔ یعنی ملت کی سربراہی اسے ملنی چاہئے۔

شق اول کے مطابق' یہ ضروری ہے کہ جب بھی کسی شخص کو کوئی ذمہ داری سونپی جائے تو وہ اس ذمہ داری کو تمام تقاضوں کے ساتھ نبھانے کا اہل ہو۔ یعنی ضروری ہے کہ وہ کامل طور پر اس کی اہلیت رکھتا ہو کہ وہ سمجھ سکے کہ اسے سونپی گئی ذمہ داری کے تقاضے کیا ہیں اور ان سے کماحقہ' عہدہ برآ ہونے کے کیا کیا طریقے ہیں۔ اس مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے حلقہ اختیار کا ماہر ہو' جس کے لئے' اس خصوصی گوشہ زندگی سے متعلق تمام تر علم رکھنے کی اہلیت بنیادی خصوصیت ہے۔

شق دوم کے مطابق یہ ضروری ہے کہ اپنے حیطہ اختیار کے متعلق جب بھی کوئی متنازعہ امر اس کے سامنے آئے تو وہ اس قابل ہو کہ اس معاملہ کے تمام قانونی پہلوؤں کا احاطہ کر سکے اور ان کا فیصلہ قانون کے مطابق عدل سے کر سکے۔

شق سوم کے مطابق یہ ضروری ہے کہ اس کا اپنا علم اس ضابطہ ہدایت (قرآن کریم) کے بارے میں' جس کے مطابق انسانی زندگی کے تمام امور سے متعلق رہنمائی حاصل کرنا ہے' اتنا گہرا ہو کہ وہ اسے چھوٹی سے چھوٹی تفصیلات کے ساتھ سمجھ سکے اور سب سے پہلے ان کا اطلاق اپنی ذاتی زندگی پر کرتا ہو۔

یہ ہیں وہ بنیادی اور منفرد صفات جو قرآن کریم کے مطابق اسلامی مملکت کے کسی بھی اہل کار اور بالخصوص کارپردازان حکومت کے لئے لازمی طور پر درکار ہیں۔ کارپردازان حکومت کا انتخاب' اصولی طور پر ان لوگوں میں سے ہو گا جو عوام کی طرف سے منتخب ہو کر ایوان ہائے قانون سازی کے اراکین بنتے ہیں۔ یعنی پارلیمانی اور سینٹ کے اراکین۔ لہٰذا یہ صفات اور اہلیت ان کے انتخاب کی بنیاد بنتے ہیں۔

اب اپنے گردوپیش پر نگاہ دوڑایئے اور دیکھئے کہ ہمارے وہ رہنما جو اپنے اپنے حلقہ انتخاب سے منتخب ہو کر ایوان ہائے پارلیمان اور سینٹ میں اس لئے آتے ہیں' کہ ملت کے لئے قانون سازی کریں اور ملت کے امور انجام دینے کے لئے مختلف ذمہ داریاں سنبھالیں' ان میں سے کتنے ہیں جو ان بنیادی خصائص و لوازم کے حامل ہیں۔

ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے، کچھ وہ ہوتے ہیں جن کی تعلیم بس واجبی سی ہوتی ہے، کچھ وہ ہوتے ہیں جنہوں نے کسی کالج یا یونیورسٹی کے اندر جھانک کر نہ دیکھا ہو۔ ہاں ایک معمولی تعداد ان کی بھی ہوتی ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے وہ اعلیٰ مناصب حاصل کر لیتے ہیں لیکن ان سب میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو قرآن کریم اور اس کی تعلیم سے قطعاً" ناآشنا ہوتے ہیں۔ البتہ عوام کے سامنے معتبر بننے کے لئے ہاتھ میں تسبیح لئے پھرتے ہیں اور پارلیمان اور سینٹ کے اجلاسوں کے دوران انہیں تسبیح کے ان دانوں سے کھیلتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ عوام کے سطحی مذہبی جذبات کی تسکین کے لئے مزاروں کے غسل کرتے اور ان پر چادریں چڑھاتے بھی دیکھے جا سکتے ہیں حالانکہ ان امور میں انسانیت کے لئے کوئی منفعت نہیں ہوتی۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، چونکہ اس سے عوام کے جذبات کی تسکین ہوتی ہے اس لئے وہ ایسا کرنے میں خاص اہتمام سے کام لیتے ہیں۔ کردار کی نسبت سے ان میں کئی ایک ایسے ہوتے ہیں جنہیں نہ صرف برملا منشیات فروشوں کے سرپرست کہا گیا ہے بلکہ انہیں دیگر غیر آئینی کاموں میں بھی ملوث پایا گیا ہے۔ انہی میں سے کچھ لوگوں کی پشت پناہی کے سبب مختلف علاقوں میں "قبضہ گروپ" بھی تشکیل پا چکے ہیں۔ جو بالخصوص کمزور اور ناتواں عوام کی جائدادوں پر قبضے کر کے انہیں ان کے حق انتفاع سے محروم کر دیتے ہیں۔ وہ گاہے گاہے مملکت کی اراضیات پر بھی قبضہ کر لیتے ہیں اور انہیں پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ان میں وہ بھی ہوتے ہیں جو عامۃ الناس کے جائز کام کروانے کے لئے کروڑوں تک کی رشوت شیر مادر سمجھ کر وصول کر لیتے ہیں۔ یعنی کردار کے لحاظ سے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا جو ان معیاروں پر جو قرآن کریم نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں، پورا اترنا تو کجا، ان کے قریب بھی آتا ہو۔

یہ ہے حالت ہمارے ان رہنماؤں کی جو قوم کے ہاتھوں منتخب ہو کر ایوان ہائے پارلیمان میں پہنچتے ہیں۔ ان کا عوام سے صرف اتنا ہی تعلق ہوتا ہے کہ یہ ان کے ووٹوں سے منتخب ہو جائیں اور بس۔

آپ اپنے گھر میں ذاتی ملازم رکھیں یا کسی معمولی سی معمولی دفتری اسامی کے لئے کسی شخص کو منتخب کریں۔ اس کے لئے کوئی کم از کم قابلیت ضرور متعین کریں گے۔ لیکن ان رہنماؤں کے انتخاب کے لئے کوئی معیار مقرر نہیں ہے۔ صرف ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کے پاس اتنی دولت ہو کہ وہ انتخابات کے اخراجات برداشت کر سکے۔ پھر جب وہ منتخب ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے سب سے پہلا ہدف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی لگائی ہوئی رقم کو مع سود جلد از جلد واپس اپنے خزانوں میں لا سکے۔

ان حالات میں قوم کے کام کون سنوارے؟ اس کے دکھوں کا مداوا کون کرے اور ان کے زخموں پر مرہم کون رکھے؟ انہیں اس منزل کی طرف کون لے جائے جس کے حصول کے لئے انہوں نے بے پناہ قربانیاں دے کر یہ ملک بنایا تھا۔ یہ ہے ہمارے موجودہ باطل نظام کی کارفرمائیاں اور اس کے نتیجے میں منتخب ہونے والے اراکین پارلیمان کی کارگزاریاں۔ اس میں منفعت عامہ کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ اس منفعت عامہ کا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس جہان رنگ و بو میں بقا اسی نظام، اسی کام اور اسی عمل کو ہو گی جس میں عالم انسانیت کے لئے نفع اور بہبود ہو گی۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (13/17)-

جب تک ہم اپنے اس نظام کو بدل کر ایسا نظام رائج نہیں کرتے جو قرآنی احکام و اقدار کے تحت امور مملکت کو چلائے' جزوی مرمت اور ٹیپ ٹاپ سے کچھ حاصل نہیں ہو گا- وہ نظام لانا ضروری ہے جس کے متعلق خالق کائنات نے کہا ہے کہ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (3/97)-

یہی مقصد' اللہ کے رسولؐ کے سامنے تھا' اسی راستے پر خلفائے راشدینؓ چلتے رہے- اسی کے احیاء کے لئے علامہ اقبالؒ نے پاکستان کا تصور دیا اور اسی کے عملی نفاذ کے لئے بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر ہمارے لئے یہ مملکت حاصل کی-

(اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم بھی' پاکستان کی تمام مذہبی جماعتوں کی طرح اس ملک میں مذہبی پیشوائیت کے اقتدار کی بات کر رہے ہیں- ہرگز نہیں- ہمارے سامنے تو یہ مقصد ہے کہ قرآن کریم کے ایسے سکالرز پیدا کئے جائیں جو اپنے دنیاوی شعبوں میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ فیصلہ کر سکیں کہ پیش آمدہ معاملہ میں قرآن کریم ہمیں کیا ہدایت دیتا ہے- پاکستان کی 48 سالہ تاریخ میں کسی بھی رہنمائے قوم نے یہ ثابت نہیں کیا کہ وہ ایسا کرنے کی نیت اور اہلیت رکھتا ہے-

پاکستان کی 48 سالہ تاریخ میں' سابقون اولالون کو چھوڑ کر' برسر اقتدار آنے والی کسی سیاسی شخصیت نے اس بات کا ثبوت نہیں دیا کہ وہ "پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ' کے عملی نفاذ کے تقاضوں کو سمجھتا ہے اور ایسا کرنے کے اہلیت اور نیت رکھتا ہے- کسی نے بے لگام جمہوریت کے نام پر ہمارا استحصال کیا اور کسی نے آمر بن کر ہمیں ان راہوں پر چلانے کی کوشش کی جو اس کے اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنیں- اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کی نہ اُنہوں نے کوشش کی' نہ اِنہوں نے- وہ سب یا تو اس کی اہلیت ہی نہ رکھتے تھے اور یا (اغلب خیال یہی ہے) ایسا کرنے میں انہیں اپنی موت نظر آتی تھی- انہوں نے اس ملک کو جس ڈگر پر بھی چلایا اس کا نتیجہ آج ہم معاشی اور معاشرتی ابتری اور فقدان حفاظت جان و مال کی صورت میں بھگت رہے ہیں- لیکن بہرحال ہمیں کبھی تو' کہیں سے' اس منزل کی طرف سفر اختیار کرنا ہو گا جس کا تعین ہم نے تحریک حصول پاکستان کے دوران کیا تھا' ورنہ' ہم یوسف بے کارواں کی طرح کبھی ایک منڈی میں بیچے جائیں گے اور کبھی دوسری میں اور بحیثیت قوم نہ ہماری کوئی منزل ہو گی نہ ہی کوئی متعین جادۂ سفر-

قوم اگر اس منزل کی طرف جادہ پیما ہونا چاہتی ہے (اور اس سے ہٹ کر ہمارے لئے اور کوئی چارۂ کار ہی نہیں) تو اس کے لئے حکومتی سطح پر یہ پہلا قدم اٹھانا ہو گا کہ یہ قانون پاس کیا جائے کہ آج سے :

"مملکت پاکستان کا تمام کاروبار' قرآن حکیم کے متعین فرمودہ احکام و اقدار کے تابع طے پائے گا"-

اور اس کے بعد مسلسل ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے اس مملکت کے دستور کی ایک ایک شق قرآنی اقدار کے سواحل کے اندر آتی چلی جائے- اور اس کے متوازی' تعلیمی میدان میں ایسے انقلابی اقدامات کئے جائیں جن سے قوم کی ذہنی اور علمی سطح اتنی بلند ہوتی چلی جائے کہ ہم اقوام عالم کے دوش بدوش چلنے کی اہلیت حاصل کر سکیں-

جوں جوں ہم اپنی حیات ارضی کو قرآنی نظام کے تابع کرتے چلے جائیں گے' افراد مملکت' اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہوتے جائیں گے اور ہمارا موجودہ جہنم اس جنت میں بدلتا چلا جائے گا جس میں کسی بھی شخص کو اپنی ضروریات زندگی کے حصول کے لئے کسی کا دست نگر نہیں بننا پڑے گا۔

اس کے سوا ہمارے لئے کوئی چارۂ کار نہیں کہ :

جنہیں حقیر سمجھ کے بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

ملت اسلامیہ پاکستانیہ میں ہے کوئی جو ایسا کر سکے اور اپنا نام ان سعادت مند' اور منعم علیہ افراد میں لکھوا سکے جنہیں کاروان انسانیت کی رہنمائی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

الیس منکم رجل رشید (11/78)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعۃ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ' مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ :
ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر' بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)
ٹیلی فون : کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظام پاکستان کے متعلق

علامہ اقبالؒ کا خط' قائداعظم مرحوم کے نام

پاکستان کا تصور علامہ اقبالؒ کا دیا ہوا ہے۔ حصول پاکستان کے بعد' وہ پاکستان میں کس قسم کا نظام دیکھنا چاہتے تھے؟ اس کے متعلق انہوں نے اپنا نظریہ اس خط میں واضح کیا تھا جو انہوں نے 28 مئی 1937ء کو قائداعظمؒ کے نام تحریر فرمایا تھا۔ انہوں نے اس خط میں پہلے یہ بتایا کہ مسلم لیگ کا نصب العین کیا ہونا چاہئے اور اس کے بعد یہ کہ اگر ان کے تصور کے مطابق مسلمانوں کی جداگانہ مملکت قائم ہو گئی تو اس کا نظام کن خطوط پر متشکل ہونا چاہئے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں :

لیگ کو آخرالامر یہ طے کرنا ہو گا کہ وہ ایک ایسی جماعت رہنا چاہتی ہے جو صرف مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کی نمائندگی کرے یا وہ عوام کی نمائندگی کرنا چاہتی ہے۔ اس وقت تک عوام نے لیگ میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور اس کی ان کے پاس وجوہات ہیں۔ ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ کوئی سیاسی جماعت جو مسلمانوں کے متوسط طبقہ کی مرفہ الحالی کا وعدہ نہیں دے سکتی' عوام کے لئے کبھی جاذب نگاہ نہیں بن سکے گی۔ (اس وقت حالت یہ ہے کہ) آئین جدید (یعنی 1935ء کے آئین) کے مطابق' اعلیٰ ملازمتیں' امراء کے بیٹوں کے حصہ میں آجائیں گی اور نچلی ملازمتیں وزراء کے دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے وقف ہو جائیں گی۔ (عوام اور متوسط درجے کے مسلمانوں کا ان میں کوئی حصہ نہ ہو گا۔ یہ تو رہا ملازمتوں کی بابت اسی طرح) دیگر معاملات میں بھی ہمارے سیاسی اداروں نے کبھی عوام کی مرفہ الحالی کے متعلق کچھ نہیں سوچا۔ روٹی کا مسئلہ دن بدن نازک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمان محسوس کر رہا ہے کہ وہ گذشتہ دو سو سال سے نیچے ہی نیچے جا رہا ہے----- اس لئے سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا علاج کیا ہو۔ لیگ کا مستقبل اسی سوال کے حل پر موقوف ہے۔ اگر لیگ نے اس باب میں یہ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ عوام اس سے اسی طرح بے تعلق رہیں گے جس طرح اس وقت تک بے تعلق رہے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی آئین کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اس آئین کو دور حاضرہ کے تصورات کی روشنی میں مزید نشوونما (Development) دی جا سکتی ہے۔ اسلامی آئین کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سے سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو سامان پرورش (Subsistance) ضرور مل جاتا ہے۔ (ہندوؤں کے پاس اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں) اگر ہندوؤں نے اشتراکی جمہوریت (Social Democracy) کو اپنے ہاں قبول کر لیا تو ہندومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن اسلام کیلئے اشتراکی جمہوریت کو ایسے مناسب انداز سے قبول کر لینا جس سے یہ اس کے اصولوں سے ٹکرائے نہیں' اسلام میں کسی تبدیلی کے مرادف نہیں ہو گا بلکہ اس سے مفہوم یہ ہو گا کہ ہم اسلام کو پھر سے اس منزہ صورت میں اختیار کر رہے ہیں جیسا وہ شروع میں تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بشیر احمد عابد- کویت

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ..... (20/124)

"جس نے بھی میرے قوانین کی خلاف ورزی کی' اس کی روزی تنگ ہو جائیگی"

ہماری معاشی بیماریاں اور ان کا علاج

معیشت کے لغوی معنی سامان زیست کے ہیں- انسان کو زندگی گذارنے کے لئے روٹی' کپڑا' مکان' علاج معالجہ اور تعلیم وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے- ایک صحت مند معیشت میں یہ ضروریات زندگی مناسب' مسلسل اور محسوس طور پر پوری ہوتی رہتی ہیں- معاشرے میں ان کی فراوانی اور ارزانی ہوتی ہے اور ان کے حصول میں آسانی رہتی ہے- اس کے برعکس ایک بیمار معیشت میں ان کی دستیابی میں کوئی تناسب یا تسلسل نہیں پایا جاتا- کبھی تو یہ مارکیٹ میں ڈھیروں دستیاب ہوتی ہیں اور کبھی ان کا چھلکا تک دستیاب نہیں ہوتا- ہر طرف قلت اور گرانی کا راج ہوتا ہے اور عوام کو انہیں حاصل کرنے میں جگر پاش مشقتیں جھیلنی پڑتی ہیں- بظاہر ایسی معیشت خواہ کتنی ہی مستحکم کیوں نہ دکھائی دے' اندر سے بالکل کھوکھلی ہوتی ہے ! اور اس میں خوشحالی کے جتنے بھی دعوے کئے جاتے ہیں' عوام کی اکثریت اس سے محروم ہوتی ہے- ہماری معیشت کی بعینہ یہی کیفیت ہے- کسی طول طویل فنی بحث میں پڑے بغیر اس معیشت کے بارے میں باسانی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہماری بنیادی ضروریات زندگی کو بطور احسن پورا کرنے میں قطعی ناکام ہے- (Total Failure) اور عوام کی اکثریت خط افلاس (Poverty Line) سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے- ایسا کیوں ہے؟ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں-

علم معاشیات کی رو سے ملک کی معاشی ترقی اور خوشحالی کو ماپنے کے چند مخصوص پیمانے ہوتے ہیں جنہیں عصر حاضر میں بڑی اہمیت حاصل ہے- کیونکہ ہر حکومت اپنی جملہ منصوبہ بندی انہی پیمانوں کی روشنی میں کرتی ہے- ان میں سے ایک پیمانہ مجموعی قومی پیداوار (GNP) کہلاتا ہے- مجموعی قومی پیداوار سے فی کس آمدن' شرح سرمایہ کاری اور خرچ اور بچت میں تناسب معلوم کیا جاتا ہے اور پھر اسی سے ترقی کی رفتار اور خوشحالی کا اندازہ لگایا جاتا ہے- مجموعی قومی پیداوار کو گھٹانے یا بڑھانے میں تین شعبے (قدرتی وسائل' مینوفیکچرنگ اور سروسز کا شعبہ) اساسی اہمیت کے حامل ہیں- اگر ان تین شعبوں پر دانشمندی کے ساتھ عمل درآمد کیا جائے تو مجموعی قومی پیداوار میں زبردست اضافہ ہوتا ہے- ہمارے حکمرانوں اور منصوبہ سازوں کی نااہلی کی بنا پر پاکستان ان تینوں شعبوں میں بہت پیچھے ہے اور ان کی کارکردگی انتہائی مایوس کن ہے- ہمارے اکثر قدرتی وسائل بے کار پڑے ہیں اور جو زیر استعمال ہیں ان

ے ٹیکنالوجی کی عدم دستیابی کی بنا پر پورا پورا استفادہ نہیں کیا جا رہا۔ پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ اس کی 70 فیصد سے زائد آبادی کا دارومدار زراعت پر ہے۔ لیکن اس شعبے میں کارکردگی کی کیفیت یہ ہے کہ گندم جیسی اہم فصل جو کہ ہماری خوراک کا لازمی جزو ہے ہماری (Staple Food) ہے۔ ہمیں لاکھوں ٹن کے حساب سے درآمد کرنی پڑ رہی ہے۔ حالانکہ ہمیں بہت پہلے اس میں خود کفیل ہو جانا چاہئے تھا۔ کون نہیں جانتا کہ قومی وقار اور عزت نفس کو بچانے کے لئے خوراک کا رول کس قدر اہم ہے اور اگر اس کے لئے بھی ہمیں غیروں کا محتاج ہونا پڑے تو تف ہے ہماری پالیسیوں پر!

کشکول میں جس روز کوئی بھیک نہ ہو گی
وہ رات میری قوم پہ تاریک نہ ہو گی

اکثر زرعی زمینیں بے کار اور بنجر پڑی ہیں۔ کاشتکاروں کو ضروری اشیائے پیداوار (In-Puts) مثلاً بیج' کھاد' ادویات وغیرہ بروقت یا بالکل دستیاب نہیں ہوتیں۔ ہر سال کروڑوں روپے کی فصلیں سیلاب کی نذر ہو جاتی ہیں اور 50 سال سے ہو رہی ہیں لیکن آج تک ان کا کامیاب سدباب نہیں کیا جا سکا۔ جنگلات' چراگاہیں اور مویشی' زرعی معیشت کا اہم حصہ ہوتے ہیں لیکن یہ تمام شعبے ہماری غفلت اور غیر ذمہ داری کا شکار ہیں۔ خدا کا بے پایاں کرم ہے کہ اس نے ہمیں زرخیز زمین' میٹھے پانی اور خوشگوار موسم عطا کیئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اس کے چپہ چپہ کو سرسبز و شاداب بنا دیتے۔ ہر طرف پھول' پھل اور ہرے بھرے جنگلات اگاتے' خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی جھولیاں بھر بھر کر دیتے۔ لیکن ہم نے قدرت کی ان نعمتوں کی ناشکری کی! ہم اس سوہنی دھرتی کو پھولوں کے گجرے اور پھلوں کے گہنے نہ پہنا سکے! اور آج ہم ان نعمتوں میں سے ایک ایک کو ترس رہے ہیں۔ ہمارے نصیب میں سوکھے بیر اور گنڈیریاں چوسنا رہ گیا ہے۔ سیب' انگور اور انار خریدنے کی استطاعت نہیں۔ بجز اس کے کہ کبھی کبھار مریض کے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے خرید لیں!

یہی حال مویشی پالنے کا ہے۔ دنیا میں کئی ممالک مثلاً آسٹریلیا' نیوزی لینڈ' ڈنمارک' کینیڈا وغیرہ ایسے ہیں کہ جن کی قومی معیشت کا ایک معتدبہ حصہ مویشی پالنے پر منحصر ہے۔ یہ ممالک نہ صرف اپنی قومی ضروریات کو پورا کرتے ہیں بلکہ مشرق وسطیٰ کے ممالک کو برآمد کر کے کثیر زرمبادلہ بھی کماتے ہیں۔ صرف ایک حج کے موقعہ کو لیجئے! ہر سال کم و بیش 30 لاکھ حاجی حج کے موقع پر قربانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ اور ہر حاجی اوسطاً" تین' چار دنبے ذبح کرتا ہے۔ اسی سے اندازہ کر لیں کہ کس قدر زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں لاکھوں ایکڑ اراضی ایسی ہے کہ جو کسی نہ کسی وجہ سے قابل کاشت نہیں۔ لیکن مویشی پالنے کے لئے انتہائی موزوں ہے۔ ایسی اراضی کو نہایت معمولی سرمائے اور محنت کے ساتھ مویشیوں کے بڑے بڑے فارمز میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

زرعی شعبے میں ترقی سے نہ صرف خوراک و پوشاک کی ضروریات پوری ہوتی ہیں بلکہ قومی سرمائے میں بھی بے حد اضافہ ہوتا ہے۔ جسے صنعت کاری کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ دنیا میں کئی ممالک نے صنعتی دور میں داخل ہونے کے لئے اپنے قدرتی وسائل کو استعمال کیا ہے۔ ان ممالک

نے قدرتی وسائل کو ترقی دے کر برآمدات میں اضافہ کیا اور یوں جو زرمبادلہ حاصل ہوا اس سے غیر ملکی قرضے اتارے اور صنعت کاری کے لئے ضروری مشینری درآمد کی۔ ہماری طرح کشکول اٹھا کر در در کی ٹھوکریں نہیں کھائیں! ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے جاپان نے ریشم' سویڈن نے عمارتی لکڑی' اور امریکہ' روس اور کینیڈا نے غلہ برآمد کر کے اپنی صنعتوں کی بنیاد رکھی اور آج ان کا شمار صف اول کے صنعتی ممالک میں ہوتا ہے۔ ایک زرعی ملک ہونے کی حیثیت سے ہمیں بھی یہی طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے۔ قدرتی وسائل کو ترقی دینے کے لئے بہت کم سرمایہ درکار ہوتا ہے۔ ان کے لئے صنعتوں کی نسبت توانائی اور دیگر لوازمات مثلاً خام مال' مشینری' فنی استعداد' مارکیٹ' شہری سہولتیں وغیرہ کی بھی بہت کم ضرورت ہوتی ہے جو کہ اس وقت ہماری معیشت کی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹیں ہیں۔ قدرتی وسائل کو مقامی طور پر دستیاب افرادی قوت اور ٹیکنالوجی سے فروغ دیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے قومی سطح پر منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ حکومت اور منصوبہ بندی کمیشن تھوڑے سے تدبر کے ساتھ اس فریضہ کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ذاتی' گروہی اور علاقائی مفادات کو پس پشت ڈال کر خالص قومی جذبے اور دینی غیرت و حمیت سے سرشار ہو کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس وقت جو لوگ ان اہم مناصب اور عہدوں پر فائز ہیں وہ ان اوصاف سے عاری ہیں۔ حکمران سیاست چمکانے میں مصروف ہیں اور منصوبہ ساز چاندی بنانے میں لگے ہیں۔ ان بے ایمان' خود غرض اور ظالم انسانوں سے کس طرح نجات حاصل کی جائے----

اسے ہم ذرا آگے چل کر بیان کریں گے۔ تھوڑا انتظار فرمایئے!

اب ہم مینوفیکچرنگ (Manu facturing) کے شعبے کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ شعبہ مجموعی قومی پیداوار میں اضافے کا دوسرا بڑا ذریعہ ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر اس شعبے میں بھی ہماری کارکردگی تسلی بخش نہیں ہے۔ مینوفیکچرنگ کے ذریعے ہم اپنے خام مال کو زیادہ سے زیادہ قیمتی بناتے ہیں اور پھر اسے اچھی منڈیوں میں فروخت کر کے زیادہ سے زیادہ منافع کماتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ خام مال وافر مقدار میں اور سستا دستیاب ہو۔ فنی استعداد موجود ہو اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کیا جائے۔ لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک تو خام مال کا معتدبہ حصہ سستے داموں برآمد کر دیا جاتا ہے اور دوسرا' ملک میں مصنوعات کی قلت ہے۔ علاوہ ازیں' جو مصنوعات تیار ہوتی ہیں ان کی کوالٹی بہتر نہ ہونے کی وجہ سے بین الاقوامی منڈیوں میں خاطر خواہ پذیرائی نہیں ہوتی۔ مصنوعات کی تیاری میں بین الاقوامی معیاروں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اور ہر صنعت کار کی کوشش ہوتی ہے کہ کم سے کم خرچ میں زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جائے۔ صنعت کار نہ تو اپنے تجربے کو بروئے کار لا کر پیداواری صلاحیت کو بہتر بناتے ہیں اور نہ ہی جدید ٹیکنالوجی سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری مصنوعات کے پیداواری طریقہ کار میں جدید تقاضوں کے مطابق مطلوبہ تبدیلی پیدا نہیں ہو سکی۔ ہمارے ہاں کی ساختہ واشنگ مشین' چاولوں کی دیگ معلوم ہوتی ہے۔ اور پنکھا۔ جس کا بڑا چرچا ہے۔ اگر اٹھانے میں احتیاط نہ برتی جائے تو کمر سے

... [illegible] ہوتا ہے۔ اس قدر بھاری بھرکم [illegible] ہیں اور تیار ہوتے ہوں گے۔ اس [illegible] مقابلے میں جاپانی اور کوریا کی مصنوعات کو [illegible] طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ نہ صرف [illegible] بھلی معلوم ہوتی ہیں بلکہ کارکردگی میں بھی ان کا جواب نہیں۔ ہماری فنی استعداد اور صلاحیت کی یہ کیفیت ہے کہ جس خام مال کو ایک جاپانی صنعت کار ہزاروں روپے کی مالیت میں بدل دیتا ہے ہم اس سے دس روپے کی چیز تیار نہیں کر سکتے۔ چائنا مٹی کو لیجئے۔ برتن ہم بھی بناتے ہیں اور جاپانی بھی۔ لیکن کیا بین الاقوامی منڈی میں ہم جاپانی کراکری کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ یہ تو خیر سے روس کی کرم فرمائی ہے جو اس نے ہمیں سٹیل مل (Steel Mill) لگا دی اور ہم اس قابل ہو گئے کہ اپنے ہاں کے خام لوہے کو تھوڑا بہت کوٹ کاٹ کر کارآمد بنا لیتے ہیں ورنہ اس سے پہلے یہی خام لوہا جاپان کوڑیوں کے مول خرید لیتا تھا اور پھر اسے سٹیزن اور سیکو گھڑیوں اور ٹویوٹا کاروں میں بدل کر ہمیں یہی لاکھوں کے بھاؤ فروخت کر دیتا تھا۔

اگر آپ ایک شریف النفس اور ایماندار پاکستانی ہیں تو یقیناً یہ صورت حال آپ کے لئے باعث حیرت ہو گی۔ کیونکہ ہماری سماجی اور سیاسی لیڈر شپ اپنی دانش و حکمت کے بودے پن کو چھپانے کے لئے اکثر ترقی کے بے سرے راگ الاپتی رہتی ہے۔ جن سے اکثر لوگوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے۔ آپ نے ایسی باتیں اکثر سنی ہونگی کہ مسجد نبویؐ میں پاکستانی پنکھے نصب ہیں! میرا ڈونا صرف پاکستانی فٹ بال پسند کرتا ہے! ملکہ برطانیہ گرمیوں میں فیصل آباد کی لون استعمال کرتی ہے! وغیرہ وغیرہ ایسی افواہوں سے ایک عام شہری کو یہ تاثر ملتا ہے کہ پاکستان بہت ترقی کر رہا ہے اور پاکستانی قوم بین الاقوامی سطح پر بڑی ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ جبکہ حقیقت اس کے بالکل الٹ ہے۔ ہماری قومی بے حسی اور بے غیرتی کی داستان کہیں زیادہ بھیانک اور کرب انگیز ہے۔ جاپانی' اگر ہمارے ہاں کے خام لوہے کو ٹویوٹا گاڑیوں میں بدل کر ہمیں ہی مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں تو اس کا ایک جواز ہے۔ ہم ان کی فنی مہارت کو سلام کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ہماری ٹیکسٹائل کی مصنوعات خرید کر اور ان کی جھاڑ پونچھ کر کے ان پر ساختہ جاپان کی مہر چسپاں کر کے ہمیں مہنگے داموں فروخت کر دیں تو اسے آپ کیا کہیں گے؟

مینوفیکچرنگ کے شعبے میں فنی نقائص اور پیداواری مسائل کے علاوہ غیر دانشمندانہ تجارتی پالیسی نے بھی کافی نقصان پہنچایا ہے۔ ہمارے ملک کی زمام کار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو اپنے ذاتی مفاد سے بلند ہو کر کبھی نہیں سوچتے۔ انہیں نہ تو خوف خدا ہے اور نہ ہی ان کے دل میں حب انسانیت یا حب وطن کا جذبہ ہوتا ہے۔ خوف خدا مولوی نکال دیتا ہے اور دیگر جذبات کا انگریز ستیاناس کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایسی تجارتی پالیسیاں وضع کرتے ہیں' جن سے ان کے عزیز رشتہ داروں اور بہی خواہوں کو تو خوب فائدہ ہوتا ہے' لیکن قومی ضروریات سے انہیں کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ ان غیر صحت مند اور منافقانہ تجارتی پالیسیوں سے قوم کی مجموعی قومی پیداوار بہت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

مجموعی قومی پیداوار پر سروسز کے شعبے کا بھی بہت اثر پڑتا ہے۔ اس شعبے میں جو پالیسیاں وضع کی جاتی ہیں ان کا مطلوب و مقصود یہ ہوتا ہے کہ بیرونی

سرمایہ جوئے رواں کی طرح' بلا کسی رکاوٹ کے ملک میں آتا رہے۔ سیاحت اور بیرون ملک افرادی قوت کی سپلائی اس شعبے کی آمدن کے دو بڑے ذریعے ہیں۔ ہمارے ہاں ان دونوں شعبوں کو فروغ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے ملک میں سیاحوں کی دلچسپی کیلئے بہت کچھ ہے۔ تاریخی مقامات۔ آثار قدیمہ۔ فطرت کے حسین مناظر۔ صدیوں پرانی تہذیب اور ایک خوبصورت ثقافت۔! اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو اپنی ہر نعمت سے نواز رکھا ہے۔ لیکن ہم ناشکرے ہیں۔ ان نعماء خداوندی کی صحیح سپاس گذاری کرنا جانتے ہی نہیں۔ اس سیکٹر میں کوئی قابل ذکر ترقی نہیں ہوئی اور مجموعی قومی پیداوار میں اس کا حصہ برائے نام ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کئی ممالک ایسے ہیں جن کی معیشت کا تمام تر دارومدار سیاحت پر ہے۔ امریکہ جیسا بڑا صنعتی ملک بھی سیاحت کو مجموعی قومی پیداوار کیلئے نہایت اہم سمجھتا ہے۔ اور اس کی ترقی کے لئے کوشاں ہے۔ ادھر ایک ہمارے ناخدا ہیں جو باہر تو کجا خود اپنے لوگوں میں سیاحت کا شوق نہیں پیدا کر سکے۔ جب مقامی آبادی کو شوق نہیں ہو گا تو وہ باہر سے آنے والے سیاحوں کی قدر دانی کیسے کریگی؟

بیرون ملک افرادی قوت بھی سرمایہ لانے کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے۔ اس وقت دنیا کے کئی ممالک میں پاکستانی ہنر مند اور تعلیم یافتہ طبقہ کام کر رہا ہے اور ملک کے لئے وافر زر مبادلہ فراہم کرتا ہے۔ اس شعبے کو مزید ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ سرکاری سطح پر بیرون ملک افرادی قوت کی مانگ بڑھانے کے لئے بالکل کوئی کوشش نہیں ہو رہی۔ اس سلسلے میں جو چند نام نہاد ادارے کام کر رہے ہیں وہ تعمیر سے زیادہ تخریب کا موجب بن رہے ہیں۔ وہ اس سیکٹر کو فروغ دینے کی بجائے لوٹ کھسوٹ میں مشغول ہیں۔ لوگوں کی اکثریت ذاتی کوشش سے بیرون ملک روزگار حاصل کر رہی ہے۔ اگر منصوبہ ساز قومی جذبے اور خلوص نیت سے کام لیکر اس شعبے کو ترقی دینا چاہیں تو ہم پوری انٹرنیشنل مارکیٹ پر چھا جانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس شعبے کی ترقی ہماری مجموعی قومی پیداوار میں زبردست اضافے کا باعث بن سکتی ہے۔

مجموعی قومی پیداوار میں اضافہ لوگوں کی حقیقی آمدنی میں اضافے کا باعث ہوتا ہے' جس سے لوگوں کی قوت خرید بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ نہ صرف اپنی بنیادی ضروریات باسانی پوری کر سکتے ہیں بلکہ اپنے اعلیٰ ذوق و شوق کی تسکین کا سامان کرنے کے بھی اہل ہو جاتے ہیں۔ جب انسان حیوانی تقاضوں کے شکنجے سے نکلتا ہے تو تب ہی وہ انسانی تقاضوں کی طرف توجہ دے سکتا ہے۔ اسی کیفیت کا نام خوشحالی اور فارغ البالی ہے۔ اگر یہ خوشحالی انسانی سعی و کاوش' ہنر مندی اور اعلیٰ منصوبہ بندی کے نتیجے میں حاصل ہو تو یہ اپنے ساتھ معاشرے میں اور کئی خوشگوار تبدیلیوں کا موجب بھی بنتی ہے۔ ایسی قوم دنیا میں نہایت باوقار مقام حاصل کر لیتی ہے اور ترقی و خوشحالی اس کی معیشت کا اٹوٹ انگ بن جاتی ہے۔ وہ جب چاہے اور جو چاہے' اپنی ضرورت کی ہر چیز خود پیدا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ کسی قوم کی محتاج نہیں رہتی۔ وہ معاشرتی طور پر منظم اور سیاسی اعتبار سے مستحکم ہوتی ہے۔ وہ حقیقی آزاد قوم کہلاتی ہے!

کہنے کو تو آزادی کے قریب قریب پچاس سال

گذر چکے ہیں لیکن فی الحقیقت پاکستانی قوم کو آزادی کا ایک سانس بھی نصیب نہیں ہوا۔ شروع ایام میں ہی ہمیں غیروں کے اطواق و سلاسل پہنا دیئے گئے تھے۔ اور اس کے بعد ہر نئی حکومت نے ان میں اضافہ ہی کیا ہے۔ شروع شروع میں معاشی مشینری کو حرکت میں لانے کے لئے سرمایہ کی اشد ضرورت تھی۔ وہ بے پناہ مصائب و مشکلات کا دور تھا اور مقامی سرمائے کو حرکت میں لانا حکومت کے لئے کافی دشوار تھا۔ لہٰذا' حکومت کے لئے بیرونی قرضوں کا حصول ناگزیر ہو گیا۔ لیکن جو حکومتیں بعد میں آئیں ان کا فرض تھا کہ وہ بیرونی قرضوں پر انحصار کم کرتیں اور مقامی طور پر دستیاب سرمائے اور افرادی قوت کو فعال بناتیں۔ ایسا نہیں کیا گیا اور آج تک ایسا نہیں ہو رہا۔ مسند اقتدار سنبھالتے ہی ہر حکمران بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے سامنے سجدۂ تعظیم بجا لاتا ہے۔ بلکہ آج کل ان اداروں کے نمائندے ان کی رسم تاجپوشی میں بنفس نفیس شریک ہوتے ہیں اور انہیں اپنے احسانات کا احساس دلاتے ہیں اور مزید احسانات کی یقین دہانی کراتے ہیں اور اگر کسی حکمران میں قومی غیرت و حمیت کا شائبہ محسوس کرتے ہیں تو اسے اس کے المناک انجام کی بشارت دیتے ہیں۔

ہمارے ارباب نظم و نسق' بالخصوص وہ جو عوامی نمائندے کہلاتے ہیں۔ ان کی اکثریت کا تعلق مترفین کے طبقے سے ہوتا ہے۔ مترفین وہ لوگ ہوتے ہیں جو دوسروں کی محنت پر پھلتے پھولتے ہیں۔ یہ طبقہ فطرتاً" سہل پسند اور عیاش ہوتا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بلا مزد و معاوضہ حاصل کردہ نعماء کی تکفیر اور انسانی محنت کا استحصال کرتے ہیں۔ جب انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہوتا ہے تو ان کی سرکشی اور طغیانی حدود فراموش ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ قومی دولت اور قومی ذرائع پیداوار کو اپنی ذاتی اغراض و مقاصد اور خواہشات و جذبات کی تسکین کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ ان کی توجہ اشیائے صرف کی بجائے اشیائے تعیش پر مرکوز ہوتی ہے اور یہ انہی کی ترقی کا سوچتے ہیں۔ قوم کی ذہنی تربیت کرنے کی بجائے' جبری محنت کے اصول پر عمل کرتے ہیں۔ اور چونکہ موجودہ جمہوری نظام میں انہیں ہمہ وقت اقتدار چھن جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے لہٰذا جو تھوڑا بہت وقت ملتا ہے اسے غنیمت جانتے ہوئے خوب عیش اڑاتے ہیں۔ انہیں اس کی قطعی فکر نہیں ہوتی کہ قوم کی مجموعی حالت کیسی ہے؟ ان کا زیادہ وقت سیاسی شطرنج کھیلنے میں گذرتا ہے۔

قوم کو معاشی دلدل سے نکالنے کے لئے ایک بااصول اور باکردار قیادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی قیادت کہ جس کا دل ایمان سے معمور اور حب وطن سے سرشار ہو۔ جو دل میں انسانیت کا درد رکھتی ہو۔ جو مخلص ہو' سنجیدہ ہو اور اہل ہو! (Rostow) روسٹو کہتا ہے کہ اس کے بغیر معاشی تبدیلی ناممکن ہے۔

ملاحظہ ہو:-

"Emergence to political power of a group prepared to regard the modernization of the economy as serious high-order political business."

The stages of economic growth - P.10

"اقتدار ایسے افراد کے ہاتھ میں ہو جو معیشت کو جدید خطوط پر استوار کرنے کو ایک سنجیدہ اور اعلیٰ درجے کا سیاسی معاملہ سمجھتے ہوں۔"

آپ ذرا ان الفاظ پر غور کیجئے: "سنجیدہ اور

اعلیٰ درجے کا سیاسی معاملہ"۔ اور پھر اپنی سیاسی قیادت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھئے۔ کیا کوئی ایسا سیاسی رہنما یا سیاسی پارٹی دکھائی دیتی ہے کہ جس نے قومی معیشت کو سنجیدہ اور اعلیٰ درجے کا سیاسی معاملہ سمجھا ہو۔؟

یقیناً۔ آپ نفی میں سر ہلائیں گے ! ہماری پچاس سالہ سیاسی تاریخ میں کسی ایک حکمران نے بھی یہ غلطی نہیں کی۔ ورنہ ہم بھی آج دنیا کی خوشحال اقوام کی صف میں ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہوتے۔ قوموں کو معاشی بدحالی سے دوچار کرنے والی بھی خود' قیادت ہی ہوتی ہے اور قیادت ہی قوموں کو خوشحالی سے ہمکنار کرتی ہے۔ ایک مصیبت زدہ قوم کو اچھی قیادت کا میسر آجانا نعمت غیر مترقبہ کے مترادف ہوتا ہے۔ ایسی قوم بوجوہ ایک اچھی قیادت کا انتخاب نہیں کر سکتی شیاطین فطرت لوگ سادہ لوح عوام کو چکمہ دیتے رہتے ہیں اور ان کے جذبات سے کھیلتے ہیں۔ زندگی کی اعلیٰ اقدار کی نہ خود پیروی کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو ترغیب دیتے ہیں۔ عوام کو چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھائے رکھتے ہیں اور بلند مقاصد کی طرف توجہ مبذول ہونے نہیں دیتے۔ ایک عام شہری اپنے حلقے سے صوبائی یا قومی اسمبلی کے ممبر کو اس لئے منتخب نہیں کرتا کہ وہ اس کی نگاہ میں ایک صاحب علم اور قومی مسائل پر گہری نگاہ رکھنے والی شخصیت ہے۔ بلکہ اس کی غرض صرف اتنی ہوتی ہے کہ خدانخواستہ کل کو اگر شناختی کارڈ بنوانے یا ڈومیسائل حاصل کرنے میں ضرورت پڑی تو چوہدری صاحب اس کی مدد فرما دیں گے۔ ایک چھوٹی سی' معصوم سی غرض کی خاطر ہم اپنا سب کچھ شیاطین کے سپرد کر دیتے ہیں۔ "سب کچھ" کے الفاظ پر بار بار غور کیجئے۔ اس سب کچھ میں ہماری شخصی آزادی اور ملک کے قیمتی وسائل کا سودا شامل ہے۔ یہ لوگ ہمارے لئے قانون سازی اور پالیسیاں وضع کرتے ہیں اور ان کی مقرر کردہ حد بندیوں کے اندر رہ کر ہمیں چلنا پڑتا ہے۔ ہم ان کی رضا مندی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔ حتیٰ کے دینی فرائض مثلاً حج بھی انہی کی نظر کرم کی عنایت ہوتی ہے۔ جب تک یہ لوگ برسر اقتدار رہتے ہیں ہمارے سیاہ و سپید کے مالک بنے بیٹھے رہتے ہیں اور ان کے حکم کو کہیں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جو ووٹ کو قیمتی امانت کہا جاتا ہے تو اس کا بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ اسی ذریعے سے ہم ایک انسان یا انسانوں کے ایک گروہ کو نہ صرف اپنی شخصی آزادی بلکہ پوری قوم اور قومی خزانے کا امین و نگہبان مقرر کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس ضمن میں سخت تاکید کی ہے اور منع فرمایا کہ تم اپنی امانتیں ایسے افراد کے سپرد نہ کرنا جو کہ اہل نہ ہوں۔ ارشاد ہے :

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا۔ (4:58)

"مملکت کی عظیم ذمہ داریاں انہی کے سپرد کی جائیں جو ان سے عہدہ برآ ہونے کے اچھی طرح اہل ہوں۔ انہیں نااہلوں کے سپرد نہ کرو ! یہ ذمہ داریاں امانت کا درجہ رکھتی ہیں جن میں کبھی خیانت نہیں ہونی چاہئے۔ دوسرے یہ کہ جب تم لوگوں کے معاملات میں فیصلہ دو تو یہ فیصلہ عدل کے مطابق ہونا چاہئے۔ جو حکومت عدل کی بنیادوں پر قائم نہیں ہوتی' تباہ ہو کر رہتی ہے۔ یاد رکھو ! یہ بڑی اہم بات

ہے جو تم سے کہی گئی ہے۔ امور مملکت کو سرانجام دیتے وقت ہمیشہ اس حقیقت کو سامنے رکھو کہ جب کوئی اور سننے والا نہ ہو' اس وقت بھی ایک سننے والا اور جب کوئی دیکھنے والا نہ ہو' اس وقت بھی ایک دیکھنے والا (اللہ) ہوتا ہے۔"

مولانا مودودی مرحوم اس آیہ کریم کی تفسیر یوں فرماتے ہیں :-

"بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے اپنے انحطاط کے زمانے میں امانتیں' یعنی ذمہ داری کے منصب اور مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے مرتبے (Position of Trust) ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیئے جو نااہل' کم ظرف' بد اخلاق' بددیانت اور بدکار تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برے لوگوں کی قیادت میں ساری قوم خراب ہوتی چلی گئی۔ مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم ایسا نہ کرنا۔ بلکہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرنا جو ان کے اہل ہوں۔"

(تفہیم القرآن ص 363)

قرآن کریم جب کسی بات کا حکم دیتا ہے تو اس کا واضح مطلب ہوتا کہ یہ بات زندگی کی اعلیٰ قدر ہے۔ ایک اٹل اور غیر متبدل قانون ہے۔ جس کی خلاف ورزی حکم پڑھ کر کی جائے یا بغیر پڑھے' نتائج یکساں طور پر مہیب ہوتے ہیں۔ ہم اپنے ووٹ کا استعمال خدا کے حکم کے مطابق نہیں کرتے لہٰذا پوری قوم اس نافرمانی کی سزا بھگت رہی ہے۔

زیر نظر مضمون میں جن معاشی مسائل و مشکلات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان سے ہر پڑھا لکھا انسان آگاہ ہے۔

ہمارے معاشی ماہرین اور منصوبہ ساز اس سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔ ایک ایک مسئلہ ان کی نگاہ میں ہے اور ان سے نمٹنا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں لیکن حکومت کے سامنے سب بے بس ہیں۔ انہیں وہی کچھ کرنا پڑتا ہے جو کوئی بھی منتخب عوامی حکومت کروانا چاہتی ہے۔ یہ لوگ نظام کو تو چلا سکتے ہیں' لیکن نظام کو بدل نہیں سکتے' نظام بدلنا منتخب نمائندوں کے اختیار میں ہوتا ہے۔

موجودہ معاشی نظام نہ صرف حکمران طبقے کو بلکہ تمام استحصالی طبقوں کو خوب راس آتا ہے' Suit سوٹ کرتا ہے۔ ان کی اس نظام میں چاندی ہی چاندی ہے۔ سود' رشوت' کمیشن' منافع خوری' ذخیرہ اندوزی' جوا' سٹہ' لاٹری' قرعہ اندازیاں' کھلی مارکیٹ اور لمبے ہاتھ' جو جی میں آئے کرتے جایئے روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں ! یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اسے بدلنے کیلئے آمادہ نہیں۔ اس نظام کا سارا وبال سادہ لوح محنت کشوں اور اعلیٰ اقدار کے پاسداروں (جنہیں عرف عام میں ایماندار کہا جاتا ہے) پر پڑتا ہے۔ وہ اس کی چکی میں بری طرح پستے ہیں اور وہی اس کو بدلنا چاہتے ہیں۔ لیکن کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ یہی ہیں وہ لوگ جنہیں رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اگر انہیں کوئی ایسا مرد مومن مل جائے جو ان کی رہنمائی سبیل الرشاد کی طرف کر دے تو یہ راتوں رات تخت کا تختہ کر دیتے ہیں۔ اس طبقے نے بڑے بڑے جابر اور مستبد حکمرانوں اور حکومتوں کو سرنگوں کیا ہے۔ موسیٰؑ کے دور میں فرعون کو اور ماؤزے تنگ کے دور میں چیانگ کائی شک کو انہی لوگوں نے ملیامیٹ کیا تھا اور آج بھی یہ طبقہ ایسا کر سکتا ہے اگر انہیں کوئی رہبر فرزانہ مل جائے ! اور اگر ایسا نہ ہوا تو کبھی بھی۔ پھر سن رکھئے !

کبھی بھی ایک باصلاحیت اور باکردار قیادت برسر اقتدار نہیں آسکے گی۔ اور ہم دائمی طور پر معاشی استبداد کا شکار رہیں گے۔

قومی معیشت کو صحت مند خطوط پر استوار کرنے کے لئے جن معاشی اقدار کو اختیار کرنا پڑتا ہے' ان کے لئے بہت ایثار و قربانی اور عزم و استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی شخصیت وحیٔ خداوندی کے سانچوں میں ڈھل کر تیار ہوئی ہو۔ جن کی نگاہ حیات اخروی پر ہو۔ جن کا اس حقیقت پر اٹل ایمان ہو کہ جس روز لقاء رب ہو گی۔ کسی کی شفاعت کام نہیں آئیگی۔ کوئی حامی و ناصر نہیں ہو گا! سب کچھ اکیلے بھگتنا ہو گا۔ ایک ایک عمل کا حساب دینا ہو گا! دل میں اٹھنے والے خیالات حتیٰ کہ نگاہوں کی خیانت تک کا حساب نہ صرف عمل کا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں' جن کے متعلق خود خدا نے شہادت دی ہے کہ جب انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہو گا تو یہ صحیح نظام قائم کریں گے۔

صحیح معاشی نظام وہ ہے جس میں ہر انسان کی بنیادی ضرورت بلا تفریق' مسلسل' محسوس اور یکساں طور پر پوری ہو۔ جس میں لوگ اپنے زائد از ضرورت مال کو مفاد عامہ کیلئے کھلا رکھیں۔ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیں۔ اسراف و تبذیر سے مجتنب رہیں۔ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے نہ کھائیں۔ غیر صحت مند مسابقت سے باز رہیں! جس نظام میں ہر محنت کش کو اس کی محنت کا پورا پورا صلہ ملے۔ لوگوں کم کھائیں' زیادہ بچائیں ●اور اپنی بچتوں کو ان ہاتھوں میں دیں جو اسے بہتر طور پر استعمال کر سکیں۔ جو دولت کا ارتکاز نہ ہونے دیں۔ جو لوگوں میں صلاحیت پیدا کریں۔ جو رنگ' نسل' مذہب اور قوم سے بالا ہو کر ربوبیت عالمینی کے علمبردار ہوں۔ (والحمد للہ رب العالمین)۔

ایسا صالح نظام صرف وحیٔ خداوندی کی روشنی میں قائم کیا جا سکتا ہے۔ ہر نبی ایسا نظام قائم کرتا تھا اور یہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک اس کی قیادت صالح ہاتھوں میں رہتی۔ جب یہ قیادت تاریخی حوادث کا شکار ہو کر مغلوب ہو جاتی تو نئی قیادت ان اصولوں کو فراموش کر دیتی یا ان سے اعراض برتتی اور معاشرہ پھر سے معاشی فساد کا شکار ہو جاتا۔ مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ نبی اکرمؐ نے ایک انتہائی مستحکم معاشی نظام قائم کیا تھا۔ اس نظام میں مذکورہ بالا تمام خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے بھی اس نظام کو قائم دائم رکھا لیکن اس دور میں اسلامی مملکت اتنی سرعت کے ساتھ پھیلی کہ ہر مقام پر افراد کی قرآنی تعلیمات کے مطابق تربیت کا انتظام نہ کیا جا سکا۔ اس کمزوری کے نتیجے میں یہ خلافت اپنے آخری ایام میں زبردست تاریخی حوادث کا شکار ہو کر فنا ہو گئی اور قیادت ایسے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی جو قرآنی نظام ربوبیت کو قائم رکھنے کی اہل نہ تھی۔ مخلص اصحاب رسولؐ نے اگرچہ نئی قیادت کی زبردست مخالفت کی لیکن اس کے باوجود یہ قیادت قائم رہی۔ ان نئے حکمرانوں نے قرآن کریم کے خلاف معاشی اصول اپنائے اور دین کو ملکی نظم و نسق سے الگ کر کے ملاؤں کے سپرد کر دیا۔ ان حکمرانوں نے خلافت کے درپردہ ملوکیت قائم کی اور وہ تمام اصول و اقدار اپنائے (معاشی' معاشرتی' سیاسی) جو ایک کٹر اور متشدد نوع کی ملوکیت کے استحکام کا باعث ہوتے ہیں۔ آج پوری اسلامی

دنیا میں یہی اصول و اقدار لاگو ہیں اور نتیجہ یہ کہ ایک بھی اسلامی ملک حقیقی خوشحالی سے ہمکنار نہیں۔ بعض ممالک تیل کی پیداوار کی وجہ سے بظاہر خوشحال نظر آتے ہیں لیکن خوشحالی کی حقیقی لذت سے یہ بھی محروم ہیں۔ بجز مادی آرام و آسائش کے یہ بھی ان تمام سیاسی و سماجی مسائل کا شکار ہیں جو ایک غلط اور بیمار معاشی نظام کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔

ہم نے زیر نظر مضمون میں معاشی بیماریوں کی تشخیص کی اور ان کے علاج کے لئے قرآن کریم جیسا تیر بہدف نسخہ تجویز کیا۔ جو لوگ قرآن کریم کو مکمل ضابطہ حیات تسلیم کرتے ہیں اور اسی نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں' انہیں ان تجاویز سے قطعی کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ان کے نزدیک انسانیت کے ہر روگ کا علاج قرآن کریم کی حیات بخش تعلیمات میں ہے۔ البتہ ہمارے بعض جدید تعلیم یافتہ مفکروں اور دانش وروں کیلئے یہ کافی حیرت کا باعث ہونگی۔ بالخصوص وہ حضرات جن کے شجر حیات کی جڑیں مغربی فلسفہ اور سائنس میں گڑی ہیں۔ ان لوگوں کی مشکل یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کا بوجوہ مطالعہ نہیں کرتے اور انہیں قرآن کا ایک لفظ تک نہیں آتا۔ قرآن سے متعلق ان کا تمام علم مولویوں سے سنی سنائی باتوں پر مبنی ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر یہ لوگ قرآن کریم کی تعلیمات کی صحیح قدر شناسی نہیں کر پاتے۔ ان کے مطابق ترقی یافتہ ممالک نے جو اصول اور پالیسیاں اختیار کر رکھی ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر ہم بھی ترقی و خوشحالی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ خالص معاشی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ معاشی ترقی کیلئے اصول و اقدار ایک جیسے ہوتے ہیں۔ مثلاً محنت کو اگر ترقی کا بنیادی اصول قرار دیا جائے تو ظاہر ہے کہ بغیر محنت کہیں بھی ترقی ممکن نہیں ہو گی۔ لیکن زندگی صرف معاشی رویوں سے عبارت نہیں' اس کی نشوونما اور بقا میں غیر معاشی رویے کہیں زیادہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ معاشی اصول و اقدار انسان کی مادی زندگی کو بہتر بناتے ہیں جبکہ انسانی نفس کی نشوونما کے لئے ان سے کہیں زیادہ اعلیٰ اقدار کی ضرورت ہے۔ جو کہ صرف قرآن کریم میں ہیں۔ قرآن کریم میں معاشی و معاشرتی سبھی اقدار انتہائی حسین توازن میں پائی جاتی ہیں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قوتوں کا یہ عالم ہے کہ کائنات میں کوئی شے اس کے قوانین کی گرفت سے باہر نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ان قوانین کو صرف دریافت کرتا ہے۔ قوانین کائنات میں پہلے سے موجود ہیں۔ کارل مارکس نے جب یہ کہا تھا کہ زمین پر ذاتی ملکیت کا حق کسی بھی انسان کو حاصل نہیں اور اسے تمام انسانوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے مشترکہ طور پر استعمال میں لایا جائے تو اس نے کوئی نئی بات نہیں کہی تھی بلکہ وہ درحقیقت اس اعلیٰ معاشی قدر کی پردہ کشائی کر رہا تھا جسے قرآن کریم نے پندرہ سو سال پہلے نہایت جامع طور پر یوں بیان فرمایا ہے :-

اَلْاَرْضَ لِلْاَنَامِ --- سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ (23:84-85) -- (41:9-10)

اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر بات ٹھوس' اٹل اور غیر متبدل قانون کا درجہ رکھتی ہے یعنی یہ محض شاعری یا لفاظی نہیں ہوتی بلکہ فیصلہ کن اور نتیجہ خیز حقیقت ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ مستقل بالذات اور مستمر بالعادت ہوتا ہے۔ یکساں' یقینی اور ابدی ہوتا ہے۔ یوں نہیں ہوتا کہ عمل کیا جائے تو مفید ثابت ہو اور انحراف کیا جائے تو کچھ نہ ہو۔ ہرگز ایسا نہیں ! اس کائنات کے اندر رہ کر

انسان قوانین خداوندی سے باہر ایک قدم نہیں رکھ سکتا۔ یہ ان قوانین کو تسلیم کرنے یا انکار کرنے پر مجبور ہے۔ انسان غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ مثلاً ہوا یا پانی کو لیجئے۔ ہاں یا نہیں کے علاوہ کوئی چارہ نہیں! بصورت تسلیم و رضا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ بصورت انکار و سرکشی ہم نقصان اٹھاتے ہیں۔ معاشی و معاشرتی اقدار کی بھی بعینہ یہی کیفیت ہے۔ انہیں اخلاقی اقدار کہہ کر درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا اور ہم ان کے نتائج سے متعلق قطعی سنجیدہ نہیں ہوتے۔ ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور سزا بھگتتے ہیں۔

معاشیات کا مسئلہ انسانی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے۔ انسانی تہذیب و تمدن کی پوری عمارت اس بنیاد سے اٹھتی ہے۔ انسان کے اخلاق و کردار، جذبات و خواہشات، ذوق و شوق، رہن سہن، طور اطوار، غرضیکہ تمام سماجی اور تمدنی رویوں پر معاشی رویوں کے گہرے نقوش مرتب ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس اہم مسئلہ پر قرآن کریم نے انسان کی رہنمائی نہ فرمائی ہو۔ جو لوگ اس حقیقت سے غافل ہیں یا انکاری ہیں وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہیں۔ معاشیات کے جو بھی سیاسی اصول ہیں، ان سے متعلق قرآن کریم کی واضح رہنمائی موجود ہے۔ ان میں سے کئی ایک کی صداقت بالتحقیق تسلیم کی جا چکی ہے اور دیگر پر تحقیق ہو رہی ہے۔ دنیا کے نامور معاشین (Economist) کی آج تک جو بھی تحقیقات سامنے آئی ہیں، سب کی سب قرآنی تعلیمات کی تائید کرتی ہیں۔ مارکس کا ذکر مندرجہ بالا سطور میں آچکا ہے اب کینز کو سنئے کیا کہتا ہے:-

"If human nature felt no temptation to take a chance, no satisfaction (profit apart) in corstructing a factory, a railway, a mine, or a farm, there might not be much investment merely as a result of cold-calculations."

Genral Theory P. 150

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک انسان طبعاً" کوئی کام کرنے پر راغب نہ ہو تو محض جامد اعداد و شمار کے بل بوتے پر اس سے کام نہیں کروایا جا سکتا۔ بالفاظ دگر جب تک انسانی فطرت میں تبدیلی پیدا نہیں ہو گی اس کے ماحول میں تبدیلی پیدا کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ یہی حقیقت قرآن کریم نے اس سے موثر انداز میں بیان کی ہے۔ ارشاد ہے:-

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ..... (13:11)

"خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا حتیٰ کہ وہ اپنے نفس میں تبدیلی پیدا نہ کرے"

قرآن کریم نے تبدیلی حالات کیلئے تغیر نفس کو لازمی قرار دیا ہے۔ جدید معاشیات میں انویسٹمنٹ (سرمایہ کاری) ایک انتہائی اہم فیکٹر ہے۔ ماہرین کے مطابق مجموعی پیداوار کا 10 فیصد دوبارہ انویسٹ ہونا چاہئے۔ حکومتوں کے لئے یہ مسئلہ درد سر بنا ہوا ہے۔ اس کے لئے عوام کو بڑی ترغیبات دلائی جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود مطلوبہ ہدف حاصل نہیں ہوتا۔ اس ناکامی کی وجہ اس کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے کہ یہ حکومتیں تغیر نفس پیدا کیئے بغیر محض اعداد و شمار کے زور پر عوام سے تعاون چاہتی ہیں، جو کہ ناممکن ہے۔ امریکہ، جاپان، چین، کوریا وغیرہ جتنے بھی ترقی یافتہ ممالک ہیں ان کی معیشت کا بغور مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تغیر نفس کی لازوال حقیقت پر عمل پیرا ہو کر ہی ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔

قرآن کریم ایک انتہائی متوازن نظام زندگی پیش کرتا ہے۔ اس میں تمام اقدار زندگی۔ معاشی،

معاشرتی' سیاسی' سماجی- سب باہمدگر مربوط ہیں- اور انہیں بالکامل اختیار کرنا پڑتا ہے- ان پر عمل پیرا ہونے سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ نوع انسان کے لئے زیادہ نفع بخش ثابت ہوتے ہیں- ہم جانتے ہیں کہ کوئی انسان بھی کامل نہیں ہے اور کسی کا علم اتنا وسیع نہیں جو زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کر سکے- لہٰذا ہمارے لئے بہترین راہ یہی ہے کہ ہم نظام خداوندی کی طرف پلٹ آئیں- مارکس ہو' کینیز ہو یا روسٹو ہو- ہم دیکھ چکے ہیں کہ سب وہی بات کہہ رہے ہیں جو قرآن کریم نے آج سے پندرہ سو سال پہلے کہہ دی تھی- فرق صرف اتنا ہے کہ ان کی تعلیمات ناقص ہیں- یہ انسان کے صرف معاشی رویوں کی رہنمائی کرتی ہیں- سماجی اور سیاسی میدانوں میں یہ انسانوں کو کھلا بلکہ لاوارث چھوڑ دیتے ہیں- یہاں ان کی زمام کار فرائیڈ (Freud) جیسے بدنہاد مفکر تھام لیتے ہیں- معاشی خوشحالی حاصل کر لینے کے بعد انسان یا تو لہو و لعب میں پڑ جاتا ہے یا پھر دوسرے انسانوں پر چڑھائی کرنا شروع کر دیتا ہے- اس کرب انگیز صورت حال پر سبھی معاشین انگشت بدنداں ہیں' اور انہیں اس سے باہر نکلنے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی- قرآن کریم کی تعلیمات ایسے نقائص سے مبرا ہیں- یہ انسان کی منزل بہ منزل رہنمائی کرتی ہیں- اور کسی منزل پہ بھی انسان کو بے لگام نہیں چھوڑا جاتا- ایک انسان جب انفرادی خوشحالی حاصل کر لیتا ہے تو اس پر قومی ذمہ داریاں عائد کر دی جاتی ہیں- اور جب قومی خوشحالی حاصل ہو جاتی ہے تو اس پر ربوبیت عالمینی کی ذمہ داریاں ڈال دی جاتی ہیں- انسان کو لہو و لعب اور جبر و استبداد کی دنیا سے نکال کر محصنین اور محسنین کی صف میں لاکھڑا کر دیا جاتا ہے- لہٰذا' ہمیں چاہئے کہ ہم اس عظیم کتاب کے دامن سے چمٹ جائیں- اس کا کثرت کے ساتھ مطالعہ کریں اور اس کے حقائق پر دقت نظر سے غور کریں اور ہمارے حالات کے مطابق جو بہترین سبیل ہو اسے اختیار کریں-

ہم ایک افلاس زدہ قوم ہیں- ہماری معیشت دنیا کی بیمار ترین معیشتوں میں شمار ہوتی ہے- مجموعی پیداوار' بڑھتی ہوئی آبادی کا ساتھ نہیں دے رہی- ارتکاز زر اور افراط زر اپنی انتہاء کو چھو رہی ہیں- بچت اور سرمایہ کاری میں مطلوبہ توازن درہم برہم ہے- بیرونی قرضوں کا بوجھ دن بدن بڑھ رہا ہے' طلب و رسد کا نظام بے یقینی کا شکار ہے اور قیمتوں پر کوئی کنٹرول نہیں- ماہرین ان بیماریوں کا ایک عرصہ سے علاج کر رہے ہیں لیکن مرض ہے کہ بڑھتا ہی جا رہا ہے- ہمارے نزدیک ان کا علاج یہ ہے کہ نااہل لوگوں کو قیادت نہیں سونپنی چاہئے- ہمیں ووٹ ان لوگوں کو دینے چاہئیں جو باصلاحیت اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں- ایسے لوگوں کو چراغ لیکر ڈھونڈنا پڑے. تو بھی ہمیں گریز نہیں کرنا چاہئے- یہ ذمہ داری اتنی ہی اہم ہے' جتنا کہ ہم فریضہ صلوٰۃ کو اہم سمجھتے ہیں- بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اہم ! اس غفلت اور کوتاہی کی سزا ہمیں دنیا میں تو مل ہی رہی ہے لیکن آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ شدید ہو گا- یہ ایک ایسا جرم ہے کہ جس کے ارتکاب پر ہم سب خدا کے حضور جوابدہ ہونگے- ہمیں اس وقت سے پہلے اپنی اصلاح کر لینی چاہئے' جس وقت نہ توبہ قبول ہوتی ہے اور نہ ایمان کام آتا ہے !

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عمر دراز

فرقہ پرستی کا انسداد قرآن کریم کی روشنی میں

(یہ مضمون کنونشن 95ء میں پڑھا گیا)

ہبوط آدم کے بعد' خالق کائنات نے اپنے وعدہ کے مطابق جو سلسلہ رشد و ہدایت حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کیا اور جس کی انتہا ختمی مرتبت حضور نبی اکرمؐ پر ہوتی ہے' اس میں وحدتِ خالق اور وحدتِ مخلوق' ایک بنیادی قدر کے طور پر سامنے آتی ہے-- اس قدر کا نقطہ ماسکہ' جو اللہ کے ہر فرستادہ نبیؑ نے' ان الفاظ میں اپنی اپنی قوم کے سامنے پیش کیا' یہ تھا کہ :

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط سورہ اعراف آیہ 59 اور 7/85,7/73,7/65 اور دیگر مقامات)

اے قوم ! خدائے واحد (کے احکام) کی اطاعت اختیار کرو-

تمہارے لئے اس کے سوا کوئی اور ہستی سزاوارِ اطاعت و عبودیت نہیں ہو سکتی-

اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ انذار بھی دیتے رہے کہ

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ 7/59

(اگر تم نے ایسا نہ کیا) تو مجھے ڈر ہے کہ تم پر یوم عظیم کا عذاب وارد نہ ہو جائے-

اور یہ کہ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ 7/73

تمہیں درد ناک عذاب اپنی گرفت میں لے لے-

اللہ کے تمام فرستادگان اپنی اپنی قوم میں اتحاد و یگانگت پیدا کر کے اور دین کے اس نظام کو قائم کر کے جس میں انسانیت بڑھتی' پھلتی پھولتی اور کامرانیوں کی منزلیں طے کر کے آگے بڑھتی چلی جاتی ہے' چلے جاتے اور ان کے بعد ان کی قوم کے مفاد پرست گروہ پھر سے انہیں مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیتے اور اس طرح اپنے اُن نقصانات کا ازالہ کر لیتے جو وحدتِ قوم کی وجہ سے اُنہیں اٹھانا پڑے تھے- یہ سلسلہ یونہی جاری؟ تاآنکہ انسانیت اپنی سنِ بلوغ کو پہنچ گئی اور اللہ کی طرف سے ایک ایسا ضابطۂ ہدایت عطا کرنا ضروری سمجھا گیا جو قوموں کے بجائے پوری بنی نوع انسان کو مخاطب کرے- اور اس وقت تک کے لئے انسانیت کی رہنمائی کرے جب تک اس نے اپنی موجودہ ہیئت میں اس کرۂ ارض پر رہنا ہے- چنانچہ اس نے اپنے آخری رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور ان پر نبوت ختم کر دی- آپؐ کے ہاتھوں لایا ہوا یہ ضابطۂ ہدایت مکمل ترین اور محفوظ ترین شکل میں دے دیا گیا (15/4;5/3) اور کہا گیا کہ

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ق وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا

تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ (سورہ الروم آیات 30 تا 32)

"تمام غلط راہوں کی طرف سے منہ موڑ کر اپنی تمام تر توجہات کو اس نظام زندگی پر مرکوز کر دو جو اللہ کے تخلیقی قانون کا تقاضا ہے اور جس قانون کے مطابق اس نے خود انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کا یہ قانونِ تخلیق غیر متبدل ہے اور (اس لئے یہ نظامِ زندگی' جو انسانی معاشرہ کے لئے بذریعہ وحی دیا گیا ہے' اسی طرح غیر متبدل ہے) یہی وہ نظامِ زندگی ہے۔ جو خود نہایت محکم ہے اور تمام نوعِ انسان میں صحیح توازن قائم رکھنے کا موجب ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

یہ نظام کیا ہے؟ یہ کہ سفر زندگی میں تمہارا ہر قدم اس منزل کی طرف اٹھے جو اللہ نے تمہارے لئے تجویز کی ہے۔ تم اس کی پوری پوری نگہداشت کرو۔ اس کے لئے نظامِ صلوٰۃ قائم کرو جس میں ہر فردِ معاشرہ بطیب خاطر اللہ کے قوانین کا (اس طرح) اتباع کرتا چلا جاتا ہے (کہ نہ تو اس کے اور اللہ کے قوانین میں کوئی فاصلہ یا رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی وہ ان قوانین کی حدود سے تجاوز کر کے ان سے باہر نکل جاتا ہے)۔ اس اتباع اور اطاعت میں کسی اور کے قانون اور فیصلے کو شریک نہ کرو۔ اس سے پہلے' خود تمہارے اندر وحدتِ فکر و عمل پیدا ہو جائے گی اور اس کے بعد پوری نوعِ انسانی اپنے اختلافات کو چھوڑ کر اُمتِ واحدہ بن جائیگی (2/213) اور یہی دین کا مقصود ہے۔ (اس سے وحدتِ خالق اور وحدتِ مخلوق کا اصول قائم ہو جائے گا)۔

لہٰذا تم بڑی احتیاط برتنا کہ اس طرح توحید کے پیرو بن کر' پھر سے مشرک نہ بن جانا یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس طرح اُمتِ واحدہ رہنے کی بجائے' مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ فرقوں میں بٹ جانے کے بعد حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر فرقہ سمجھتا ہے کہ جس طریقے پر ہم چل رہے ہیں' وہی حق و صداقت کی راہ ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ میں مگن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ یاد رکھو فرقہ پرستی اور گروہ بندی شرک ہے' تم اس شرک کے مرتکب نہ ہو جانا۔" (42/13,23/53,6/160,3/104)

اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا ہدایات اتنی واضح اور محکم ہیں کہ انہیں سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دین کا قالب (Pattern) صرف وحدتِ اُمت ہے۔ جہاں کہیں کوئی بھی اس قالب سے نکل کر کوئی اور راستہ اختیار کرے اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں رہ جاتا۔ لیکن اس کے بعد اللہ نے اپنے رسولؐ کو ایک ایسی ہدایت دی کہ جس کا تصور تک روح میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے لیکن اس تک آنے سے پہلے ایک ضروری وضاحت۔

علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید
وز رسالت در تنِ ما جاں دمید

یعنی اللہ تعالیٰ انسان پیدا کرتا ہے۔ لیکن ان میں زندگی رسالت سے آتی ہے۔ تمام انسان' انسان ہونے کی جہت سے اللہ کی مخلوق ہیں لیکن اُمت کی تشکیل رسول کی نسبت سے ہوتی ہے۔ اب آیئے اللہ کے اس انذار کی طرف جس سے اس نے اپنے آخری رسولؐ کو مخاطب کیا۔ ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (سورہ انعام آیہ 159)
جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر لیں اور الگ الگ گروہ بن جائیں' اے رسول تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔

ذرا توجہ سے سنئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کہا ہے۔ اس خالقِ کائنات نے کہا یہ ہے کہ جو لوگ دین کی راہوں میں اختلافات اور تفرقہ پیدا کر کے الگ الگ گروہ بن جائیں' الگ الگ فرقے بن جائیں۔ ان کا رسولؐ سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ حضورؐ نے بھی وحدتِ اُمّت پیدا کر کے اللہ کا نظامِ ربوبیت قائم کیا جسے کچھ دیر تک آپؐ کے خلفائے راشدینؓ نے آگے بڑھایا لیکن اس کے ساتھ بھی وہی ہوا جو اس سے پہلے ہوتا رہا تھا۔

سورہ الروم کی جو آیات میں نے پہلے پیش کی ہیں ان میں کہا گیا تھا کہ دین کا راستہ اختیار کر کے مشرک نہ بن جانا یعنی مختلف گروہوں' فرقوں میں نہ بٹ جانا۔

یہاں فرقوں میں بٹ جانے کو شرک کہا گیا ہے۔ ایسا کرنے کو اس لئے شرک کہا ہے کہ فرقوں میں اطاعت اللہ کی کتاب کی نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی کتاب کو ان فرقوں کے رہنماؤں کی تشریح و تعبیر کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ لوگ اپنے اپنے فرقے کے متبعین کے لئے خود ساختہ احکام شریعت جاری کرتے رہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ (سورہ الشوریٰ آیہ 21)
کیا ان کے کچھ (خدائی) شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ صورت کیا ہوئی؟

1- دین میں مختلف فرقوں کا وجود' قرآن کریم کی نص صریح کی رو سے شرک ہے۔
2- فرقوں میں بٹ جانے والوں کا اللہ سے کوئی تعلق نہ رہا کیونکہ یہ شرک ہے۔ (توحید نہیں)۔
3- جو لوگ فرقوں میں بٹ جائیں' قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق' رسولؐ اللہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

اس مقام پر میں مسلمانوں کے تمام فرقوں کے رہنماؤں سے سوال کرنا چاہوں گا کہ کیا کبھی انہوں نے اپنے اپنے فرقہ پر قائم رہنے کی اپنی روش کو قرآن کریم کی متعین کردہ ان کسوٹیوں پر پرکھا ہے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور اگر پرکھا ہے تو کیا اس کے بعد وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے اپنی کوئی نسبت بھی جائز قرار دے سکتے ہیں؟

ان سب نے مل کر سابق صدر ضیاء الحق کے دور میں آئین پاکستان میں ایسی ترمیم کرا لی جس کے ذریعہ ان کے وجود کو پاکستان میں تو دوام حاصل ہو گیا لیکن کیا اللہ کے آئین میں ان کے لئے کوئی گنجائش بھی باقی رہتی ہے۔ ذرا چلتے چلتے اس ترمیم کے الفاظ بھی سنتے جائیے اور پھر سر پیٹیے ان رہنماؤں کی اندھی روش پر جنہوں نے ایسا کیا۔

"شریعت سے وہ احکام مراد ہیں جو قرآن پاک اور سنت میں مرقوم ہیں۔"

اور اس کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ "جیسا کہ دستور کے آرٹیکل 227 میں مرقوم ہے' کسی مسلم فرقہ کے کسی شخصی قانون کے ضمن میں شریعت کی تشریح اور تعبیر میں "قرآن پاک اور سنت" کے الفاظ سے مراد' اس مسلم فرقہ کے مطابق قرآن پاک اور سنت کی تشریح اور تعبیر ہو گی۔" کہئے قرآن اور سنت

کے ساتھ ایسا مذاق کہیں دیکھنے میں آیا ہے جہاں قرآن اور سنت کو اپنے معاملات میں فیصلہ دینے والی اتھارٹی تسلیم کرنے کی بجائے انہیں اپنے خیالات و جذبات کے تابع کر دیا جائے۔

اپنے اصل موضوع کی طرف واپس آتے ہوئے' میں آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی کچھ مزید وعیدیں بھی پیش کرنا چاہتا ہوں جو اس نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمائی ہیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھئے کہ دین کے معاملہ میں فرقوں میں بٹ جانے کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ(سورۃ مائدۃ آیہ 72)

1- بے شک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے گا اس پر اللہ جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ایسے ظالمین کا کوئی مدد گار نہیں ہو گا۔

لیجئے شرک کرنے والوں کیلئے جنت یوں حرام کر دی گئی

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۗءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ۔ (سورہ الحج آیہ 31)

2- جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو گویا وہ آسمان کی بلندیوں سے گر پڑا۔ پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا ہوا نے اسے کسی دور دراز جگہ میں جا پٹکا۔

رفعتیں اور بلندیاں بھی چھن گئیں اور انہیں بے یارو مددگار چھوڑ دیا گیا۔

مزید ملاحظہ فرمایئے۔

لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ(سورہ الزمر آیہ 65)

3- اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام سب غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔

چلئے سب کیا دھرا اکارت گیا اور ان کے لئے اللہ کی میزان میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔

یہ ہے انجام جو اللہ تعالیٰ کی وعید کے مطابق شرک کرنے والوں کا مقدر ہے اور جس کی طرف فرقوں پر قائم رہنے والے بزعم خویش علما اپنے متبعین سمیت اپنے آپ کو لئے جا رہے ہیں۔ انہی کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ(سورہ ابراہیم آیہ 28)

اے رسول کیا آپؐ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کو کفر سے بدل دیا یعنی انہیں ٹھکرا دیا اور اپنی قوم کو ایسی منڈی میں لے جا پھینکا جہاں اس جنس کا کاسد کوئی خریدار نہ تھا۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ(سورۃ الحشر آیہ 2)

بصیرت رکھنے والو عبرت حاصل کرو۔

اس عبرتناک انجام سے بچنے اور کامیابیوں کی طرف گامزن ہونے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا" وَّلَا تَفَرَّقُوْا(سورہ آل عمران آیہ 102)

تم سب کے سب مل کر سررشتہ خداوندی (قرآن) کو تھام لو اور فرقے مت بنو۔

حاضرین کرام! اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے

ہیں جہاں ہمیں اس سوال کا جواب از خود مل جانا چاہئے کہ امت میں وحدت پیدا کرنے کی شکل کیا ہے؟ اس کی شکل یہ ہے کہ جس نظام کے گم ہو جانے سے فرقہ بندی شروع ہوئی تھی' اس نظام کو پھر سے قائم کر دیا جائے۔ اس کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ اس فکر کو عام کیا جائے کہ فرقوں کی موجودگی اور اسلامی زندگی دو متضاد چیزیں ہیں جو' قرآن کریم کی رُو سے ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور فرقوں کو مٹا کر' اسلامی زندگی پیدا کرنے کا طریق' قرآنی نظام یعنی خلافت علیٰ منہاج نبوت کے قیام کے سوا کچھ اور نہیں۔

یاد رکھئے جب تک آپ اس تلخ حقیقت کو تسلیم نہیں کر لیتے کہ فرقہ بندی کی زندگی قطعاً" اسلامی زندگی نہیں۔ آپ قرآن کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر نہیں آسکتے۔ قرآن کریم کی رُو سے صراط مستقیم ایک ہی ہے۔جب امت مختلف راستوں پر نکلے تو پھر وہ صراط مستقیم کسی کے سامنے نہیں رہتا۔ سورہ انعام میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

سورۃ انعام آیہ 154)

یاد رکھو ! میرا یہی ایک سیدھا راستہ ہے پس تم سب اسی پر چلو اس کے سوا دوسرے راستوں پر مت چلو۔ وہ تمہیں اس صراط مستقیم سے متفرق اور پراگندہ کر دیں گے۔

اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ شعار رہ سکو۔

اب بات یوں ہوئی کہ :

1- فرقے صرف اسلامی نظام میں مٹ سکتے ہیں۔

2- اسلامی نظام کے معنی ہیں ایک ایسی مملکت کا قیام جو قرآنی اصولوں کے مطابق وجود میں آئے اور جس کا تمام کاروبار قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔ یعنی جس میں قرآن کریم کو بطور ضابطہ مملکت نافذ کیا جائے۔

3- اس مملکت کی طرف سے جو قوانین نافذ ہوں گے' ان کا اطلاق' مملکت کے تمام مسلم باشندوں پر یکساں ہو گا۔ اس میں نہ کوئی فرقہ ہو گا' نہ کسی فرقہ کی الگ فقہ۔ قرآن سب کا ضابطہ قوانین ہو گا۔

قرائن بتا رہے ہیں کہ اس قسم کی قرآنی مملکت کے قیام کے لئے موجودہ مسلمان کبھی راضی نہیں ہوں گے کیوں کہ' یہ سب فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور کوئی فرقہ اپنی فقہ کو چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اس سے آپ لامحالہ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہم (موجودہ مسلمانوں) میں نہ ایسا نظام قائم ہو سکتا ہے' نہ فرقے مٹ سکتے ہیں۔

اس کا عملی مفہوم یہی ہے کہ اسلامی نظام اس قوم میں قائم ہو سکے گا جو مندرجہ بالا اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام لائے گی۔ خواہ وہ موجودہ مسلمانوں میں سے ہو اور خواہ پہلی بار اسلام لائے قرآن کریم نے مسلمانوں کو بھی جو ایمان لانے کے لئے کہا ہے تو اس سے یہی مراد ہے۔ ارشاد ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ ..... (سورۃ النساء آیہ 136)

اے مسلمانو ! ایمان لاؤ اللہ پر' اس کے رسول پر' اور اس کتاب پر جسے اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا

تھا۔

یہ از سر نو ایمان لانا درحقیقت' فرقہ وارانہ زندگی کو خلاف اسلام تسلیم کر کے' قرآنی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت کے لئے پہلا قدم اٹھانا ہے۔

یہ مرحلہ بڑا دشوار گذار نظر آتا ہے لیکن' اس کے سوا احیائے اسلام کی کوئی صورت نہیں۔ اگر ہم اپنی موجودہ غیر اسلامی زندگی کو' اسلامی کہ کر' اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں' تو اس سے ہماری زندگی' اسلامی نہیں ہو جائے گی۔ اسلامی زندگی کے لئے "امت واحدہ" جس میں کوئی فرقہ نہ ہو' بنیادی شرط ہے۔ اور یہ صرف قرآنی مملکت میں ممکن ہے۔

میرا اس پر غیر متزلزل ایمان ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا کیوں کہ میرے رب نے قرآن کریم میں تین مختلف مقامات پر شدومد سے دہرایا ہے۔ کہ

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (سورہ التوبہ آیہ 33' سورۃ الفتح آیہ 28 اور سورۃ الصف آیہ 9)

اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطہ ہدایت اور ایسا نظام زندگی دے کر جو یکسر حقیقت پر مبنی ہے بھیجا ہی اس لئے ہے کہ وہ اس نظام کو دنیا کے تمام باطل نظاموں پر غالب کر دے۔ خواہ یہ بات ان لوگوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے جو ایک اللہ کے قوانین کی اطاعت کے بجائے مختلف خداؤں کے احکام کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں۔ تو جب اللہ خود یہ ضمانت دیتا ہے کہ یہ نظام تمام دنیا کے باطل نظاموں پر آخر الامر غالب آکر رہے گا تو میں مایوس کیوں ہو جاؤں!

سورۃ توبہ کی آیہ 33 میں یہ کہنے کے بعد اس نے کہا ہے کہ احبار و رھبان یعنی علماء و مشائخ کی اکثریت ایسی ہے جو لوگوں کا مال ناحق طریق سے کھا جاتے ہیں اور اس راستہ میں روک بن کر بیٹھ جاتے ہیں جو انسانوں کو اللہ کی طرف لائے (اور اس طرح انہیں اللہ کے اس نظام کی طرف آنے سے روک دیتے ہیں)۔

سورۃ الفتح کی آیہ 28 میں یہ کہنے کے بعد کیا ہے کہ محمد رسول اللہ اور ان کے رفقا' کفار کے مقابلہ میں چٹانوں کی طرح سخت اور آپس میں انتہائی نرم دل اور ایک دوسرے کے ہمدرد ہیں' اللہ نے ان سے ہر خطرہ سے حفاظت اور رزق کریم کا وعدہ کیا ہے۔

سورۃ الصف کی آیہ 9 میں یہ کہنے کے بعد فرمایا ہے کہ (تم ہمیشہ ایسے کاروبار کی تلاش میں رہتے ہو جس میں تمہیں نقصان کا کوئی اندیشہ نہ ہو) آؤ میں تمہیں ایک ایسا ہی کاروبار بتاؤں جس میں کبھی نقصان کا احتمال نہ ہو اور اس طرح وہ تمہیں اس الم انگیز عذاب سے بچائے جو کاروبار کے نقصان کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ وہ کاروبار یہ ہے کہ تم اللہ کے اس نظام کی صداقت اور محکمیت پر پورا پورا یقین رکھو جو اس کے رسول کے ہاتھوں متشکل ہو رہا ہے۔ اس نظام کے قیام و استحکام کے لئے پوری پوری جدّوجُہد کرو۔ اس کے لئے اپنا مال بھی صرف کرو اور ضرورت پڑنے پر اپنی جانیں تک بھی لڑا دو۔ اگر تم علم و بصیرت سے کام لے کر غور کرو گے تو تمہیں نظر آجائے گا کہ اس کاروبار میں کس قدر منافع ہی منافع ہے--- (9/111)

اور اب آخیر میں یہ سوال کہ ایسا کب ہو گا؟

ایسا کب ہو گا؟ اس کا جواب حاضرین کرام' اللہ سے نہیں' اپنے آپ سے مانگئے۔ کیوں کہ طریقہ وہ بتاتا ہے اور اس پر عمل ہم نے خود کرنا ہوتا ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عاطف طفیل خان

تعلیم سے کیا حاصل؟

وہ معاشرہ جس میں اقدار کی مٹی پلید ہو رہی ہو' جہاں انسان ایک قابل فروخت شئے بن چکا ہو' جہاں انسانی صفات کی قدر و قیمت بھی مال و زر سے متعین ہوتی ہو' وہاں تعلیم اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھتی ہے۔

آج کے سماج میں کوئی انسانی صفت ایسی نہیں جسے دولت میں تبدیل نہ کر دیا گیا ہو۔ حسن' دانش' ذہانت' جسمانی قوت غرضیکہ ہر انسانی صفت' جنس اور شے تجارت بن کر رہ گئی ہے۔ محنت کش طبقہ یہ صفات فروخت کر کے زندگی بسر کرتا ہے۔ سرمایہ دار انہیں خرید کر اپنی رگوں میں تازہ خون داخل کرتا ہے۔ تمام انسانی محنت چاہے وہ جبری مشقت ہو یا تخلیقی عنایت' بالاخر زر میں ڈھلتی ہے اور اسی حوالے سے اس کی اہمیت کا تعین ہوتا ہے۔ اسی لئے کارل مارکس نے اپنے 1844ء کے معاشی اور فلسفیانہ مسودات میں زر کو انسانی محنت' صفات اور وجود کی بیگانہ تجسیم قرار دیا ہے۔ زور زر کا تجزیہ کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "میری طاقت کی ترازو میری دولت ہے۔ روپیہ کی تاثیر میری اپنی تاثیر اور صلاحیت ہے۔ لہٰذا جو کچھ میں ہوں اور جو کچھ میں کر سکتا ہوں' اس کا تعین میری انفرادیت اور علم و دانش سے بالکل نہیں ہوا۔ میں بدصورت ہوں مگر میں سب سے خوبصورت عورت کو خرید سکتا ہوں۔ پس ثابت ہوا کہ میں بدصورت نہیں ہوں۔ کیونکہ بدصورتی کے اثر اور اس کے گھناؤنے پن کو روپیہ زائل کر دیتا ہے۔ بہ حیثیت فرد میں لنگڑا ہوں' لیکن روپیہ مجھے چوبیس پاؤں فراہم کر دیتا ہے۔ لہٰذا میں لنگڑا نہیں ہوں۔ میں نہایت قابل نفرت' گھٹیا' بے توقیر' بے اصول اور بے وقوف انسان ہوں' لیکن روپیہ کی اور روپے والے کی عزت ہوتی ہے۔ روپیہ اعلیٰ ترین خوبی ہے۔ لہٰذا روپیہ کا مالک ہی اچھا آدمی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ روپیہ مجھے بے ایمانی کی زحمت سے بچاتا ہے۔ لہٰذا میں ایماندار سمجھا جاتا ہوں۔ میں احمق سہی' مگر روپیہ چونکہ تمام اشیاء کا حقیقی ذہن ہے۔ لہٰذا اس کا مالک احمق کیسے ہوا۔ مزید برآں وہ لائق اور صاحب علم لوگوں کو خرید سکتا ہے۔ پھر کیا وہ شخص جو صاحب علم اور صاحب فکر و نظر لوگوں کو خرید سکتا ہے' ان سے زیادہ صاحب علم و دانش نہ ہوا۔ میں جو روپیہ کی طاقت سے ہر وہ چیز خرید سکتا ہوں جس کی آرزو انسان کا دل کرتا ہے' کیا تمام انسانی اوصاف اور صلاحیتوں کا مالک نہیں ہوا؟۔ کیا میری دولت میری تمام نااہلیوں کو ان کی ضد میں نہیں بدل دیتی۔"

قرآن حکیم نے تعلیم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے (6/50) اور یہ کہ "ایسے لوگ جہنم کے مستوجب ہیں جو دل رکھنے کے باوجود اس سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے' نہ آنکھوں سے دیکھنے کا اور نہ

کانوں سے سننے کا کام لیتے ہیں۔ ایسے لوگ انسان نہیں' حیوان ہیں' بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہیں۔ (7/179)"

ارشاد ربانی ہے کہ "سمع و بصر ذرائع علم ہیں اور ان سے محروم ہو جانا عذاب خداوندی ہے۔" (6/64,2/20)۔ لیکن ہم نام نہاد مسلمانوں نے اپنے وطن عزیز "اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں "علم دشمن" معاشرہ تشکیل دیا ہے۔ یہاں پر صاحبان علم و دانش احساس محرومی کا شکار ہیں اور اپنی بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ جبکہ صاحبان ثروت' عیش و عشرت اور فرحت و انبساط کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کسی شاعر نے ہمارے غیر انسانی اور بیوپاری سماج کی کیا خوب تصویر کشی کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ؎

جنہیں زندگی کا شعور تھا' انہیں بے زری نے نبھا دیا
جو گراں تھے سینہ خاک پر وہی بن کے بیٹھے ہیں معتبر

سرمایہ داروں اور جاگیر داروں کی حکومتوں نے جو تعلیمی نظام قوم کو دیا' وہ ان کے طبقے کے مفادات کا تحفظ فنکارانہ مہارت کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ بات پلے باندھ لینا چاہئے کہ سرکاری تعلیم کبھی بھی آزادانہ سوچ' ریاستی مفاد سے اختلاف اور روایت سے بغاوت کا درس نہیں دے سکتی۔ اس کا سارا زور انحراف کی بجائے فرماں پذیری پر ہوتا ہے۔ اس طرح ایک لحاظ سے تعلیم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ سرکاری تعلیم اطاعت سیکھاتی ہے۔ روایت کی عظمت کا رعب دلوں میں بٹھاتی ہے۔ بے جواز قوم پرستی کی ترغیب دیتی ہے۔ تاہم وہ سب سے بڑا ظلم یہ کرتی ہے کہ فرد کی ذہنی و ثقافتی نشوونما میں معاون بننے کی بجائے حماقت اور جہالت کی محبت پیدا کرتی ہے۔ تحفظ' نام نہاد شرافت اور میکانکی سوچ کو معزز بناتی ہے۔ حقیقت اور تربیت میں دوری پیدا کرتی ہے۔ غیر انسانی سماجی اور سیاسی نظام کی پشت پناہی کرتی ہے۔ اس طرح ظلم و تشدد اور رجعت پسندی کا ہتھیار بن جاتی ہے۔ علم و دانش کو ریاستی پراپیگنڈے کی بھینٹ چڑھا دیتی ہے۔

فریرے (Freire) کا کہنا ہے کہ عوام پر اپنا تشدد برقرار رکھنے کیلئے حکمران' ثقافتی اور تعلیمی ذرائع استعمال کرتے ہوئے عوام کو اپنا "مافی الضمیر" ادا کرنے سے روک دیتے ہیں۔ حکمران طبقات عوام کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہیں کہ عوام کمتر' جاہل اور نااہل ہیں۔ جبر کلی کی اس صورت حال کے صدیوں جاری رہنے کی وجہ سے عوام اپنے بارے میں اس رائے کو درست سمجھنے لگتے ہیں' جو ظالم حکمران ان کے بارے میں رکھتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں والدین اپنے بچوں کی پرورش میں تابعداری' بڑوں کی موجودگی میں بچوں کا خاموش رہنا' والدین جو کہیں اس کو درست سمجھنا اور دلائل کی بناء پر حیل و حجت اور سوالات کرنے سے باز رکھنے کو مثبت اقدار کے طور پر دیکھتے ہیں اور تجسس' پہل کاری کا جذبہ (Initiative) اور اپنی خواہش کو بیان کرنے کی اہلیت کو منفی نکتہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھر' سکول' بازار میں' کام پر اور انسانی تعلقات میں انسان خود اعتمادی کا جذبہ کھو بیٹھتا ہے اور نتیجہ یہ کہ اس جبری صورتحال کو خدا کا قانون سمجھ کر خاموشی اور صبر سے برداشت کرنے کا رجحان اختیار کر لیتا ہے۔ جبر کے نظام کے تحت تعلیم کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ لوگوں (عوام) کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جائے اور یوں تعلیم لوگوں کو سدھا

گر استبدادی صورتحال کو برقرار رکھنے کا کردار ادا کرتی ہے۔

ہم ایسی تعلیم کو مسترد کرتے ہیں جو فرعون (ملوکیت کا نمائندہ) ہامان (مذہبی پیشوایت کا نمائندہ) اور قارون (نظام سرمایہ داری کا نمائندہ) کے غیر انسانی اور مکروہ مفادات کی نگہداشت کرتی ہے۔ ایسی تعلیم پسماندہ اور مفلوک الحال عوام کی محرومیوں میں اضافہ کرتی ہے اور مستبد حکمرانوں کی عیاشیوں میں بڑھوتری کا سبب بنتی ہے۔ ہمیں ایسی تعلیم مطلوب ہے جو مستضعفین اور یتامٰی کو طبقاتی و انقلابی شعور عطا کرے۔ جو ان کے قلوب حزیں میں بغاوت کی آگ پیدا کر دے اور وہ پکار اٹھیں کہ

اس شہر سنگدل کو جلا دینا چاہئے
پھر اس کی خاک کو بھی اڑا دینا چاہئے
ملتی نہیں اماں ہمیں جس زمین پر
اک حشر اس زمیں پر اٹھا دینا چاہئے

ہمیں ایسی تعلیم مطلوب ہے جو انسان کے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرے۔ جو الفاظ خدا میں یہ اعلان کرے کہ "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (ہر انسان' انسان ہونے کی جہت سے واجب التکریم ہے) " (17/70) عظمت آدم کا اعلامیہ فیض کی زبان سے کچھ یوں جاری ہوا ہے۔

سنو کہ شاید یہ نور صیقل
ہے اس صحیفے کا حرف اول
جو ہر کس و ناکس زمیں پر
دل گدایان اجمعین پر
اتر رہا ہے فلک سے اب کے
سنو کہ اس حرف لم یزل کے
ہمیں تمہیں بندگان بے بس
علیم بھی ہیں خبیر بھی ہیں
سنو کہ ہم بے زبان و بے کس
بشیر بھی ہیں' نذیر بھی ہیں
ہر اک اولی الامر کو صدا دو
کہ اپنی فرد عمل سنبھالے
اٹھے گا جب جم سرفروشاں
پڑیں گے دارو رسن کے لالے
کوئی نہ ہو گا جو آکے بچا لے
جزا سزا سب یہیں پہ ہو گی
یہیں عذاب و ثواب ہو گا
یہیں سے اٹھے گا شور محشر
یہیں پہ روز حساب ہو گا

حاصل گفتگو یہ کہ ہمیں ایسا تعلیمی نصاب مطلوب ہے جس کے سرورق پر جلی حروف سے یہ لکھا ہو کہ

"کسی انسان کیلئے یہ جائز نہیں کہ خدا اسے کتاب و حکومت و نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم' قانون خداوندی کی نہیں بلکہ' میری اطاعت کرو۔ اسے صرف یہ کہنا چاہئے کہ تم سب اللہ کے اس ضابطہ قوانین کی رو سے ربانی بن جاؤ جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو اور جس کی تعلیم کو تم اپنے دلوں پر نقش کرتے ہو۔" (3/78)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آصف جلیل (سعودی عرب)

اللہ کی مرضی

اگست کے شمارے میں محترم ڈاکٹر عبدالودود صاحب کا مضمون بعنوان "کیا موت کا دن مقرر ہے؟" نظر سے گزرا۔ اسے پڑھ کر متعدد سوال ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی غیبی طاقت سے کسی کو موت سے بچا لیتا ہے تو اس کی بھی کوئی تو وجہ جواز ہو گی ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ماں کا جواں سال بیٹا کسی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے یا کسی خاندان سے اس کا واحد سہارا چھن جاتا ہے۔ پولیس مقابلے میں قانون کا محافظ زندگی کھو بیٹھتا ہے لیکن ڈاکو محفوظ رہتا ہے۔ ذہن پریشان ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان مرنے والوں کی مدد کیوں نہ کی۔

ڈاکٹر صاحب نہ معلوم ان سوالات کی کیا توجیہ پیش کرتے ہیں' مولوی صاحب کے پاس البتہ اس سوال کا گھڑا گھڑایا جواب موجود ہے اور وہ یہ کہ "اللہ کی مرضی"۔ وہ جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔ اس کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے' جسے ہم سمجھ نہیں سکتے' وہ کسی قاعدے اور قانون کا پابند نہیں ہے وغیرہ۔ اگر اصولی طور پر اس دلیل کو صحیح مان لیا جائے تو پھر معاشرے میں رائج ہر محرومی' ہر ناانصافی' ہر ناہمواری اور ہر زیادتی کا منطقی جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ غریب اس لیے غریب ہے کہ اللہ جسے چاہے غریب کر دیتا ہے اور جسے چاہے امیر۔ کوئی مزارع کسی وڈیرے کی غلامی اس لئے کر رہا ہے کہ اللہ کی مرضی یہی ہے۔ اگر حکومت بدعنوان ہے تو کیا حرج ہے' وہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کسی قاعدے اور قانون کے تحت روبعمل ہوتے ہیں یا کسی مستبد حاکم کی طرح اس کا نظام لاقانونیت سے عبارت ہے؟ زمین کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی وسیع کائنات میں ایک ذرے کے برابر بھی نہیں اور اس میں بسنے والے انسان کسی جرثومے کے برابر بھی نہیں ہیں۔ اس انسان کو اللہ تعالیٰ نے اختیار و ارادہ کی قوت سے نوازا ہے اور خود لامحدود اختیارات کا مالک ہونے کے باوجود اس نے انسانوں کی دنیا میں' انہی کی فلاح و بہبود کی خاطر' اپنی مشیت کو قانون کے دائرے میں بند کر لیا ہے۔ ایسا کرنا ہی اس کے الہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ عام انسان تو چند اصولوں کو نہیں اپنا سکتا کیونکہ انسانی جذبات قانون پر غالب آجاتے ہیں۔ مومن البتہ بڑی حد تک اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے قوانین کا پابند ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ کسی قانون کا پابند نہیں' اسے' اس کے اعلیٰ و ارفع مقام سے گرا کر انسانوں کی سطح پر لا کر کھڑا کر دینے کے مترادف ہے۔ قانون کی خلاف ورزی تو معمولی سے معمولی انسان بھی کر رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بھی یہی کچھ کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اسے کس طرح انسانوں سے متمیز کرتا ہے۔

اس بارے میں خود کوئی رائے قائم کرنے سے بہتر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ہی پوچھ لیں۔ انسانوں کی دنیا میں اس نے اپنی مرضی قرآن کریم میں بیان کر دی ہے۔ لہٰذا صرف اسی بات کو اللہ کی مرضی سے تعبیر کرنا چاہئے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہو کیونکہ اب ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ باقی نہیں رہا۔ مثلاً اس نے واضح کر دیا ہے کہ رزق کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ کوئی محروم نہ رہ جائے۔ اگر معاشرے میں اس کے حکم کے مطابق رزق کی تقسیم نہیں کی جاتی تو پھر کوئی یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ لوٹ کھسوٹ، بے ایمانی اور دھوکہ دہی سے حاصل کی ہوئی دولت کو "هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ" کہنا یا غربت اور امارت کو من جانب اللہ قرار دینا محض بہتان ہو گا۔

اللہ کی مشیت تو یہ ہے کہ ہر انسان کی عزت و تکریم کی جائے۔ انسانوں میں طبقاتی تقسیم نہ ہو۔ کسی عہدے کا حق دار وہی ہو جو قابلیت کے لحاظ سے سب سے بہتر ہو۔ ذرائع پیداوار کسی ایک شخص یا گروہ کے تصرف میں نہ ہوں۔ تعلیم، علاج، گھر کی سہولتیں سب کو یکساں طور پر میسر ہوں۔ قانون کا اطلاق سب یکساں پر ہو۔ لیکن ملوکیت کے دور سے لے کر اب تک نام نہاد مسلمانوں کے معاشرے میں سب کچھ اس کے برعکس ہو رہا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس طاغوتی نظام کو اسلام کے نام پر فقیہوں اور ملاؤں کی تائید حاصل ہے تاکہ کسی کے دل میں اس کے خلاف خیال تک نہ آسکے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ انسانوں کی غلط کاریوں کا الزام نہایت آسانی سے اللہ تعالیٰ پر تھوپ دیا جاتا ہے۔

اس طرح کی گفتگو تو آپ نے اکثر سنی ہو گی کہ "بھائی میں نے ملازمت کے لیے انٹرویو دیا تھا لیکن ایک سفارشی کو رکھ لیا گیا"۔ فوراً جواب ملے گا "اللہ کو یہی منظور تھا"۔ یا ذکر ہو رہا ہو گا کہ "مریض کو دل کا دورہ پڑا تھا کافی دیر تک کسی نے توجہ نہ دی اور وہ چل بسا۔ ڈاکٹر اکثر ڈیوٹی سے غیر حاضر ہوتے ہیں"۔ ساتھ ہی یہ صدا سنائی دے گی "بس جناب اللہ نے اس کی اتنی ہی لکھی تھی" اور سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ ایک مزارع دن بھر جانوروں کی طرح کام کرنے کے بعد جب اپنی کوٹھری میں پہنچ کر کھٹیا پر لیٹتا ہے تو ایک سرد آہ بھر کر کہتا ہے کہ "یا اللہ تو نے میری قسمت میں یہ کیا لکھدیا؟"۔ اور دوسرے ہی سانس میں چوہدری صاحب کی تعریف کرے گا کہ بہت اچھے آدمی ہیں اکثر بچا ہوا کھانا اسے دے دیتے ہیں۔

قرآن کریم کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ترجمان ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ کھلا اعلان ہے۔ کوئی بات اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنے سے پہلے اس کی تائید میں قرآنی آیات کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر انفاق۔ یعنی سامان رزق کو تمام انسانوں کے لیے کھلا رکھنے کے بارے میں متعدد آیات آئی ہیں۔ (چند ایک کا حوالہ یہ ہے۔ (13:22, 3:133, 2:276, 2:274, 2:254) اور یہ کہ مومنین کے مال میں محتاجوں کا حق ہے (35:29, 16:75, 14:31, 70:24,30:38) ان آیات کی موجودگی میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ غربت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسی طرح اس نے زندگی کے تمام معاملات کے بارے میں احکامات دے رکھے ہیں۔ لہٰذا وہی اللہ کی مشیت کہلائیں گے۔ یہ تمام امور

ہیں جن کو ماننے یا نہ ماننے کا اختیار انسان کو حاصل ہے۔ البتہ ان کے نتائج اللہ تعالیٰ نے متعین کر رکھے ہیں۔ وہ اس کے قانون کے مطابق ہی نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں تبدیلی نہ کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے (48:23, 35:43, 33:62)

کائنات میں بھی اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کارفرما ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر ذکر آیا ہے لیکن اشارۃً، کیونکہ قرآن کریم سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ ان قوانین کو انسان نے خود دریافت کیا ہے۔ کائنات کی ہر شے انہی کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے تحت رونما ہونے والے مظاہر کے بارے میں یہی کہتا ہے کہ میں ایسا کرتا ہوں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں۔ لیکن یہ ہوتا اس کے غیر متبدل قوانین کے تحت ہی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں ذکر ہے کہ "وہی ہے جو آسمان سے پانی برساتا ہے" اور اس کے بعد متعدد آیات میں اس پانی کے مختلف فوائد بیان کیے ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ بارش کے لیے بادلوں کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر بادلوں کے بارش ہو سکتی ہے لیکن اس نے جو طریق کار مقرر کر رکھا ہے اور اس میں تبدیلی نہ کرنے کا جو وعدہ کیا ہے اس کی رو سے وہ ایسا نہیں کرتا۔ اسی طرح زندگی اور موت کا بھی قانون ہے۔ جو شخص صحت کے اصولوں پر کارفرما رہے اور خطرات سے محفوظ رہنے کے طریقے اپنائے اس کی عمر لمبی ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس جو مضر صحت عادات اختیار کرے اور خطرات سے بچنے کی کوشش نہ کرے، موت اس کے اردگرد منڈلاتی رہتی ہے۔ یہی مفہوم ہے اس آیت کا جس میں کہا گیا کہ کوئی نفس اللہ کی اذن کے بغیر نہیں مر سکتا (3:145) ڈاکٹر عبدالودود صاحب کو پیش آنے والے واقعات کو محض اتفاق کہا جا سکتا ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ موت قریب سے گذر جاتی ہے اور وہ بچ جاتا ہے۔

وضاحت

طلوع اسلام میں شائع ہونے والے مضامین کا تعلق زندگی کے عملی مسائل سے ہوتا ہے اور ہم اپنے معزز قلمکاروں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ عملی زندگی کی ان مشکلات کا حل براہ راست قرآن مجید سے پیش کریں۔ ہمارے ہاں موصول ہونے والے بعض مضامین کا تعلق یا تو نظری مباحث سے ہوتا ہے یا تاریخی واقعات سے، ایسے مضامین کی گنجائش ہمارے ہاں بہت کم ہوتی ہے۔ اسی طرح ہمارے بعض کرمفرما توقع رکھتے ہیں کہ ان کا مضمون موصول ہوتے ہی شائع ہو جائیگا حالانکہ اس مضمون کو ادارت، کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے مراحل سے گذر کر اپنی باری اور موقع کی مناسبت کا انتظار بھی کرنا ہوتا ہے۔ اسی لئے کسی بھی مضمون کی فوری اشاعت کا وعدہ ہمارے لئے بسا اوقات ممکن نہیں ہوتا۔ قارئین میں سے کوئی صاحب بچوں کے لئے لکھ سکیں تو ہم نہ صرف ممنون ہونگے بلکہ بچوں کی حق رسی کی خاطر ہم اس سلسلے کو از سر نو جاری کرنے کے لئے مناسب معاوضہ ادا کرنے کے لئے بھی تیار ہونگے۔

مدیر مسئول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہماری اپنی زندگی

(بانی تحریک کا پیغام وابستگان تحریک کے نام)

قرآن کریم کا سمجھ لینا مقصود بالذات نہیں۔ اسے سمجھا اس لئے جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اگر قرآن کریم کا صحیح مفہوم ہماری سیرت و کردار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا' تو یہ ذہنی تفریح سے زیادہ کچھ نہیں۔ اگر اس سے' ہمارے قلب کی گہرائیوں میں کوئی ایسا انقلاب پیدا نہیں ہوتا جس کی جھلک ہماری روزمرہ کی زندگی میں نہ پائی جائے' تو ایسی قرآن فہمی محض مشاعروں کی داد ہے۔ جس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

دل و نگاہ کی اس مسلمانی کا مظاہرہ ہماری رفتار و گفتار و کردار' سب میں ہونا چاہئے۔ اگر ہماری سیرت پاکیزہ' نگاہ بلند' کردار پختہ اور معاملات صاف نہیں' تو ہم میں اور ان لوگوں میں کیا فرق ہے جن کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ وہ قرآن کی تعلیم کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے بجز اس کے کہ ہم اپنے آپ کو یہ کہہ کر فریب دے لیں کہ ہم ان سے بہت آگے ہیں کیونکہ ہم قرآنی تعلیم کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں۔ قرآن سمجھنے والوں کی زندگیاں ایسی ہونی چاہئیں جن سے وہ چلتے' پھرتے دوسروں سے ممتاز و متمیز نظر آئیں' اور جس کسی کو ان سے کبھی واسطہ پڑے' وہ ان کے حسن معاملہ سے متاثر ہو کر' بے ساختہ پکار اٹھے کہ---- دیدہ ام مردے در ایں قحط الرجال---- اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے پیش نظر' پورے کے پورے معاشرہ میں قرآنی انقلاب پیدا کرنا ہے' لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جب تک معاشرہ میں ایسا انقلاب نہ آجائے' ہم اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہ کریں۔ غلط معاشرہ کی بعض مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں جن پر انفرادی طور پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے' لیکن زندگی کے جن دائروں میں ہم مجبور نہیں' وہاں کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اندر حسن سیرت پیدا نہ کریں؟ اپنی ہر کمزوری کے لئے معاشرہ کی مجبوری کو سپر بنا لینا' بہت بڑی خود فریبی ہے۔ قرآن کا نام لینے والوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ کو اس قسم کی خود فریبی میں

مبتلا رکھیں۔ صداقت' اخوت' محبت' شفقت ، حسن معاملہ' ایفائے عہد' کشادہ نگہی' وسعت ظرف' تحمل' بردباری' پاکیزگی خیالات' عفت قلب و نظر' یہ ہمارے امتیازی نشانات ہونے چاہئیں۔ میں نے ان چند خصوصیات کا ذکر محض مثال کے طور پر کیا ہے۔ مجملاً" یوں سمجھئے کہ ہماری ساری زندگی سیرت محمدیہؐ کے قالب میں ڈھلی ہوئی ہونی چاہئے' کہ قرآن فہمی کا فطری نتیجہ یہی ہے۔

اگر باہیں نرسیدی تمام بولہبی است

یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارا رہن سہن نہایت پروقار اور سنجیدہ ہو اور ہم سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جو پایہ ثقاہت سے گری ہوئی ہو۔ آپ چلتے پھرتے شریف انسان دکھائی دیں' جو خود بھی امن و سلامتی میں رہیں اور دوسروں کے لئے بھی امن و سلامتی کے پیامبر اور آرزو مند ہوں۔ آپ کے ہاتھ سے کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہو۔ اس کے برعکس عدل اور احسان آپ کا شیوۂ زندگی ہو۔

" ذلو بہ یاد وتل "

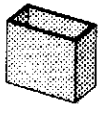

دسمبر 95ء کے شمارہ میں شائع ہونے والی کنونشن 95 کی روئیداد میں جناب عبداللہ ثانی صاحب کا ذکر سہوا" رہ گیا۔ اپنے منفرد رنگ فصاحت کے موتی بکھیرتے ہوئے' فرقہ بندی کی تباہ کاریوں کی مثال انہوں نے گتے کے ایک ڈبے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جس دلکش' مدلل اور حسین انداز میں دی تھی وہ بن پڑھے بھی قارئین کو یاد ہو گی۔ یہ 20 اکتوبر کا ذکر ہے۔ انہوں نے کہا تھا گتے کا یہ ڈبہ ایک مخصوص مقصد کے لئے تیار کیا گیا ہے اور یہ اس مقصد کے لئے اسی صورت میں کارگر ہے جبکہ یہ اپنی صحیح' سالم اور صحت مند حالت میں ہے۔ یہی ڈبہ اگر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے (قیمتی ڈبہ انہوں نے واقعی پھاڑ ڈالا) تو اس کا کوئی ٹکڑا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا' نہ ڈبہ کہلائے گا نہ ہی وہ مقاصد بروئے کار لانے کا ذریعہ بن سکے گا جن کے لئے اسے وجود میں لایا گیا تھا۔ یہی حالت امت مسلمہ کی ہے۔ فرقوں میں بٹی ہوئی ملت دوسروں کو سلامتی کی ضمانت کس منہ سے دیگی جب خود ہی سالم نہ رہی۔

ہم جناب ثانی صاحب سے معذرت خواہ ہیں۔

مدیر مسئول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سکندر صاحبزادہ
پبلک پراسیکیوٹر
گورنمنٹ پلیڈر

کیا جُرم "قتلِ عمد" قابلِ راضی نامہ ہے؟

1988ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے فیصلہ دیا تھا کہ تعزیرات پاکستان کی وہ دفعات جو بابت جرائم نسبت انسانی جان ہیں خلاف قرآن و سنت ہیں اور ساتھ ہی حکومت پاکستان کو ہدایت کی کہ وہ ان دفعات کی جگہ اسلامی قوانین نافذ کرے۔ چنانچہ سال 1990ء میں پہلی بار صدارتی فرمان (آرڈیننس) کے ذریعے تعزیرات پاکستان کی دفعات 299 تا 338 منسوخ کر کے ان کی جگہ قصاص و دیت آرڈیننس 1990 جاری کیا گیا۔ جو کہ گذشتہ پانچ سالوں سے بطور آرڈیننس ہر چار ماہ کے بعد نافذ ہو رہا ہے اور اس طرح تعزیرات کی دفعات کو اسلامی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔

اس قانون کے چیدہ چیدہ نکات میں جرم' قتلِ عمد کو قابلِ معافی یا قابلِ راضی نامہ بنا دیا گیا ہے اور انسانی جان کی قیمت سو اونٹ کی قیمت کے برابر تجویز ہوئی ہے جو کہ سکہ رائج الوقت پاکستانی مبلغ ایک لاکھ چھہتر ہزار چھ سو دس روپے 1,76,610 ہے۔ میں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا کہ انسانی جان کو اونٹ کے ساتھ اس لیے منسلک کرا دیا گیا ہے کہ اونٹ عربوں کا صحرائی جہاز ہے۔ پھر ایسے ایسے اونٹ بھی ہیں جن کی قیمت دس دس لاکھ روپے کے برابر ہے۔

اس قانون کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ چند مشکل عربی نام مثلاً قتل شبہ' عمد' قتل بالسبب' خطہ' جائفہ' غیر جائفہ' ارش' دمان' موضعہ' متلاحمہ' اسقاط' جنین' دامیہ' لمیہ وغیرہ متعارف کروا کر کوشش کی گئی ہے کہ ایک ہزار سالہ قدیمی فقہ کو پھر سے رواج دیا جائے جو اس دور کے بدلے ہوئے حالات سے چنداں مطابقت نہیں رکھتا۔

یہ قوانین فقہی اصولوں پر بنائے گئے ہیں۔ ہمارے ہاں ہر فرقے کی اپنی فقہ ہے' اور ان فقہوں میں بنیادی قسم کے اختلافات ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت امام ابو حنیفہؒ قتلِ خطا اور قتلِ عمد کے بارے میں قرآن کے صاف اور واضح احکامات کے قائل تھے جبکہ امام شافعیؒ' امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ نیز ان کے نزدیک غلام مقتول کے بدلے آزاد قتل نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ قرآن نفس کے بدلے نفس کی بات کرتا ہے۔

دوئم : ذمّی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دی جاتی ہے۔ حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق میں استعمال کیے ہیں وہی ان لوگوں کیلئے بھی ارشاد فرمائے ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ میثاق و معاہدہ رکھتے ہیں۔

سوئم : اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ قتلِ عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں

حاشا للہ۔ قرآن مجید میں قتلِ عمد کی حالت میں قصاص کا علم ہے۔ دیت کی اجازت نہیں۔ یہ تقاضائے عقل بھی ہے۔ جاہلیت کے دور میں قتل کے مقدمات دیوانی مقدمات کی حیثیت رکھتے تھے اور اسی وجہ سے مالی معاوضہ اس کا بدل ہوتا تھا۔ اسلام اس غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔

چہارم : اختلاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قتلِ عمد کی حالت میں کفارہ کی گنجائش نہیں۔ امام شافعیؒ قصاص و کفارہ دونوں جائز قرار دیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں کفارہ کا حکم قتلِ خطا کے ساتھ مخصوص ہے۔ قتل عمد میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے۔

پنجم : اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ کیفیتِ قتل میں مطابقت کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ یعنی قاتل نے پتھر سے مقتول کا سر پھوڑا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جائے یا اگر کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ بھی آگ سے جلا کر مارا جائے حالانکہ اس قسم کی مطابقت پر قرآن کا کوئی حکم دلالت نہیں کرتا۔

مندرجہ بالا اختلافات جرمِ قتل سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ اقدامِ قتل اور مجروحات تک میں بھی اختلافات موجود ہیں۔

قصاص و دیت آرڈیننس کسی ایک فقہ کی نمائندگی نہیں کرتا۔ اس کے تیار کرنے والوں کو ادھر ادھر سے جو کچھ معلومات مل سکیں ان کو جمع کر کے ایک ملغوبہ پیش کر دیا' جسے تا حال قانون ساز اسمبلی کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکا۔ اگر کبھی ایسا ہوا تو ہو سکتا ہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ بشرطیکہ ہمارے قانون ساز اداروں میں قانون کی شُد بُد رکھنے والے موجود ہوئے اور اگر اکثریت ہاتھ اٹھانے والوں کی ہوئی تو پھر "حافظ خدا ہمارا"۔

ملکی قانون کی رو سے کسی مجرمانہ فعل سے چونکہ امن و سکون تباہ ہوتا ہے۔ اس لئے معاشرہ کے حق کو انفرادی حق پر ترجیح دی جاتی ہے۔ فرد کے حق کو اکثر مطالبے کی حد تک محدود رکھا جاتا ہے۔ قرآن کے مطابق ہر انسانی جان واجبُ التکریم ہے۔ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل مانا جاتا ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت 32 کا مفہوم ملاحظہ فرمائیے :

یہ قصہ (جو بنی اسرائیل کے ہاں عام تھا) درحقیقت ان کی اپنی جذباتی کیفیت کا ترجمان تھا کہ وہ بات بات پر آمادہ بہ قتل ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے' ہم نے ان کی طرف یہ تاکیدی حکم بھیجا تھا کہ یاد رکھو ! جو شخص کسی دوسرے کو قتل کر ڈالے--- بجز اس کے کہ وہ جرمِ قتل کے قصاص میں ہو (یعنی قتلِ ناحق کے لئے سزائے موت کے طور پر) یا ملک میں فساد برپا کرنے والے مجرمین کو قانون کے مطابق موت کی سزا دی جائے--- تو اس قسم کے بے گناہ قتل کے متعلق یوں سمجھو گویا اس شخص نے (ایک فرد کو قتل نہیں کیا) پوری کی پوری نوع انسان کو قتل کر دیا۔ اس کے برعکس جس شخص نے کوئی ایک جان بچا لی' تو اس نے گویا پوری نوع انسان کی جان بچا لی۔

یہی نہیں کہ انہیں یہ حکم صرف ایک بار دیا گیا اور پھر فراموش کر دیا گیا۔ ان کی طرف ہمارے پیغامبر' واضح احکام و دلائل لے کر آتے رہے' اور انہی باتوں کو دہراتے رہے۔ لیکن'

اس کے باوجود' ان کی اکثریت کا یہ عالم رہا (اور اب تک ہے) کہ وہ حدود شکنی اور زیادتی کرتے رہے"۔

اسلامی قوانین میں سزا جرم کے مطابق دی جاتی ہے تاہم جرم اور سزا میں مماثلت ممکن نہ ہو تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسری سزا دی جاتی ہے تاکہ معاشرتی زندگی میں امن و سکون کا دور دورہ رہے۔ سورہ مائدہ کی آیت 45 میں ارشاد ہے۔

"ان ہی صحف میں ہم نے انہیں حکم دے رکھا تھا کہ جس شخص نے کسی کو ناحق قتل کر دیا تو اس کی سزا موت ہو گی۔جان کا بدلہ جان۔ آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ ناک کا بدلہ ناک۔ کان کا بدلہ کان۔ دانت کا بدلہ دانت یعنی جرمِ قتل ہی مستوجب سزا نہیں' کسی کو زخمی کر دینا بھی ایسا جرم ہے جس کی سزا دی جائیگی اور سزا جرم کی مثل ہو گی۔ لیکن اگر مستغیث مجرم کو خود معاف کر دے تو یہ چیز مجرم کی سزا کا کفارہ ہو جائیگی۔ یہ تھا وہ قانونِ قصاص جو ان کتابوں میں دیا گیا تھا۔" (مفہوم القرآن 5/45)

مزید یہ کہ مجرم کی معاشرہ میں خواہ کوئی بھی پوزیشن یا رُتبہ ہو' سزا کے معاملہ میں عدل و مساوات کا بنیادی اصول ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا' سورہ بقرہ کی آیت 178 میں حسب ذیل حکم ہے۔

سزا کے سلسلہ میں' عدل اور مساوات کے بنیادی اصولوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ یعنی اس میں بڑے اور چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں ہو گی۔ سوال مقتول یا قاتل کی پوزیشن کا نہیں۔ اصل سوال تقاضائے عدل کا ہے' جس کی رُو سے ہر انسانی جان یکساں قیمت رکھتی ہے۔ (مثلاً) اگر قاتل آزاد مرد ہے تو وہی آزاد مرد سزا پائے گا۔ اگر قاتل غلام ہے تو اسی غلام کو سزا دی جائے گی۔ اگر وہ عورت ہے' تو اس کا عورت ہونا اسے سزا سے نہیں بچا سکے گا' اسے بھی سزا بھگتنی پڑے گی۔ (178/2)

اور اس سے اگلی آیت 179 میں وہ عظیم اصول وضع کر دیا گیا ہے جو تمام انسانیت کے فائدہ کیلئے ہے۔ کہا:

اگر تم سطحی جذبات سے ہٹ کر عقل و فکر کی رُو سے غور کرو گے تو تم پر یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ قصاص کے اس قانون میں تمہاری اجتماعی زندگی کا راز پوشیدہ ہے اس سے تم لاقانونیت کے خطرات سے محفوظ رہ سکو گے۔ (مفہوم القرآن 179/2)

مذکورہ آیت میں لفظ قصاص غور طلب ہے۔ عام طور پر اس کے معنی سزا کے کیے جاتے ہیں لیکن اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع اور جامع ہے۔ لفظ قصاص کا مادہ (ق_ ص۔ ص) ہے جس کے معنی ہیں کسی کا پیچھا کرنا۔ کسی کا تعاقب کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ کوئی

جرم (Untraced) نہ رہ جائے۔ کوئی مجرم قانون کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ ملزم کا تعاقب کیا جائے تا آنکہ وہ گرفتار ہو جائے۔ مقدمہ چلے۔ اس کا فیصلہ قانون کے مطابق ہو۔ ہو سکتا ہے عدالت میں ملزم' مجرم نہ ثابت ہو اس لیے اسے کوئی سزا نہ ملے لیکن اس سے اسلامی مملکت کے قصاص کا فریضہ ادا ہو جائیگا۔ اس حکم کی رُو سے قصاص کو "الذین آمنو" کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اسلامی معاشرہ کا فریضہ۔ لہٰذا اس میں جرائم کا بدلہ لینے کو متعلقہ افراد پر نہیں چھوڑا گیا۔ اسے معاشرے کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ جس معاشرہ میں قانون کی حکمرانی یعنی (Rule of Law) ہو' اس میں جرائم کے مواخذہ کی یہی صورت ہونی چاہئے۔ جرم متعلقہ افراد کے خلاف ہی نہیں ہوتا بلکہ خود حکومت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس میں مستغیث افراد نہیں ہوتے خود حکومت ہوتی ہے۔ عصر حاضر کی اصطلاح میں اسے سرکار بنام فلاں فلاں یا CROWN VERSUS SO AND SO STATE VERSUS SO AND SO کہا جاتا ہے۔ لہٰذا آیت کے اتنے ٹکڑے کے معنی یہ ہوئے کہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ جرم قتل کے مرتکب کا پیچھا کرے اور سزا دے۔ (مطالب الفرقان صفحہ 170 جلد دوم)

یہ ایک عام روایت ہے کہ اسلام میں قتلِ عمد قابلِ راضی نامہ ہے۔ قرآن کریم میں ایسا نہیں ہے۔ فقہی قوانین نے اگرچہ اسے قابلِ راضی نامہ بنا دیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اس کے سخت مخالف تھے اور اپنے دور میں انہوں نے جس شدومد سے اس کی مخالفت کی بعد میں آنے والوں میں سے شاید ہی کسی نے اتنی کی ہو۔ زمانۂ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے رائج تھے وہ انتہائی ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے۔ اسلام نے نہایت خوبی سے ان کی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کیے جو رہتی دنیا تک قابل عمل اور ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ہیں۔ جاہلیت میں قصاص کا دارومدار قاتل و مقتول کی حیثیت و پوزیشن پر کیا جاتا تھا۔ جو معزز قبیلے تھے وہ دوسرے قبیلوں سے اس طرح قصاص لیتے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلے کے آزاد کو' اپنی عورت کے بدلے ان کے مرد کو۔ اپنے مرد کے بدلے دوسرے قبیلے کے دو مردوں کو قتل کر دیتے تھے۔ خدا نے قصاص کا حکم عام فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ قاتل ہر حال میں مقتول کے بدلے مارا جائیگا خواہ شریف ہو یا رذیل۔ مرد ہو یا عورت۔ غلام ہو یا آزاد۔ مسلم ہو یا ذمّی۔ زیادہ توضیح کیلئے ان صورتوں کی خاص طور پر نفی کی گئی جو عرب میں اسلام سے پہلے جاری تھیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہوا کہ :

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ ۲/۱۷۸

"تم پر مقتول کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا۔ آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام کے بدلے غلام۔ عورت کے بدلے عورت"۔

زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور بھی تھا کہ قتلِ عمد کے بدلے میں مالی معاوضہ ہی دے دینا کافی سمجھا جاتا تھا۔ اسکو دیت کہتے تھے۔ اسلام نے اس کو باطل کہا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے صرف قتلِ خطا کی حالت میں جائز رکھا اور اس کی مقدار مسلمان اور ذمی کیلئے یکساں مقرر کی۔ اس سلسلے میں سورہ

النسا کی آیت 92 نہایت روشن اور واضع حکم لئے ہوئے ہے۔

"کسی مومن کیلئے یہ سزاوار نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے۔ اِلّا یہ کہ غلطی سے ہو جائے۔ اگر کسی کے ہاتھوں غلطی سے مومن مارا جائے تو وہ اس کے بدلے میں ایک غلام آزاد کرے۔ لیکن ایسا ہو کہ تم کسی قوم سے برسر پیکار ہو اور ان میں مومن فرد تمہارے ہاتھوں غلطی سے مارا جائے تو اس کے کفارہ کے طور پر ایک مومن غلام آزاد کیا جائیگا (خون بہا نہیں دیا جائیگا کیونکہ جنہیں تم خون بہا دو گے وہ تو تم سے جنگ کر رہے ہیں) لیکن اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدۂ صلح ہے تو اس صورت میں اس کے وارثوں کو خون بہا بھی دینا ہو گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا بھی۔ لیکن اگر قاتل کے پاس غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ ہو یا غلام میسر نہ ہو تو دو مہینے کے متواتر روزے رکھے۔ یہ چیز قانونِ خداوندی کی رُو سے عفوِ خطا کا موجب بن جائیگی۔ اسی قانونِ خداوندی کی رُو سے جو سرتاپا علم و حکمت پر مبنی ہے۔" (مفہوم القرآن 4/92)

قتل عمد کی سزا کے متعلق قران کریم کے نہایت واضح احکام ہیں۔ اسی سورہ النسا کی آیت 93 میں اس کا ذکر کچھ یوں ہے کہ :

"اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو عمداً قتل کر ڈالے تو مرنے کے بعد بھی وہ جہنم میں جائیگا جہاں ہمیشہ رہنا ہو گا۔" (مفہوم القرآن 4/93)

آیت کے مفہوم پر غور فرمایئے تو واضح ہو جائے گا کہ قتلِ عمد کی سزا تو بہرحال ہو گی اور وہ بھی جہنمی سزا۔ اگر اس آیت کے ساتھ سورہ مائدہ کی آیت 32 کو بھی پڑھا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ خونِ ناحق یا قتلِ عمد کی سزا اس دنیا میں بھی ضرور دی جائیگی۔ (معاشرہ کی طرف سے قانونی ادارے یہ ذمہ داری پوری کریں گے)۔ اس میں کسی قسم کی تخفیف یا گنجائش نہیں نکالی جا سکتی۔

قتلِ عمد کو قابلِ راضی نامہ بنا دینے والوں کی طرف سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ آیت قصاص (سورہ بقرہ 178) کے دوسرے حصہ میں (**فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ**) آیا ہے جس سے یہ استنباط (Deduction) کی جاتی ہے کہ مقتول کے وارثوں کو معافی یا دیت کا حق حاصل ہے اس قسم کا استنباط یا استدلال قرآن فہمی کے خلاف ہے۔ قرآن نے اپنے مطالب اور مقاصد سمجھانے کا ایک طریقہ خود ہی متعین کر دیا ہے جسے وہ تصریف آیات سے تعبیر کرتا ہے اس کے معنی ہیں کہ قرآن کسی ایک جگہ کوئی حکم دیتا ہے تو اس کی تشریح دوسرے مقام پر کرتا ہے۔ اس میں استثناء کسی اور جگہ پر اور اضافہ کسی اور مقام پر۔ قرآن کریم کے کسی خاص حکم کو صحیح طور پر سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کی کسی ایک آیت تک محدود نہ رہا جائے بلکہ اس نے جہاں جہاں اس حکم کے متعلق کچھ کہا ہو' ان تمام آیات کو سامنے

رہ کر نتیجہ اخذ کیا جائے اس سے وہ حکم واضح اور مکمل طور پر سامنے آجائیگا۔ اس طریقہ کار کی بکثرت مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے جیسے سورہ النساء آیت 3 میں کہا گیا ہے کہ

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

"جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو"

ظاہر ہے اس آیت میں حرام و حلال کی کوئی تخصیص و تفریق نہیں۔ اگر کوئی شخص صرف اسی ایک آیت سے قانون وضع کرنا چاہے تو وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہو جائیگا۔ صحیح طریقہ ہو گا کہ اس آیت کو آیت 23 کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے جس میں ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے نکاح حرام ہے اس طرح قرآن کا قانون ہمارے سامنے آجائیگا۔ یعنی جن عورتوں کو حلال قرار دیا گیا ہے ان میں سے جو تمہیں پسند ہوں' ان سے نکاح کر لو۔

اس قاعدے کے مطابق قتل سے متعلق قرآنی آیات کو سامنے رکھئے۔ سورہ بقرہ کی آیت 178 کے پہلے حصہ میں جرمِ قتل کی سزا موت بتلائی گئی ہے۔ اس میں قتلِ عمد اور قتل خطا کی تفریق نہیں کی گئی اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اس آیت تک محدود رکھے گا تو وہ کہے گا کہ قرآن کی رُو سے ہر قتل کی سزا موت ہے حالانکہ یہ غلط ہے اس آیت کو جب سورہ النسا کی آیت 92 اور 93 کے ساتھ ملا کر پڑھا جائیگا تو بات واضح ہو جائیگی کہ موت کی سزا کا حکم قتلِ عمد میں ہے قتلِ خطا میں نہیں۔

اب سورہ بقرہ کی آیت 178 کے دوسرے حصہ کو لیجئے اس میں کہا گیا ہے **فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ** (جسے اس کے بھائی نے کچھ معاف کر دیا ہو) ظاہر ہے اس کا اطلاق اس جرم پر نہیں ہو سکتا جس کی سزا موت ہے۔ اس کا اطلاق اسی قتل کے جرم پر ہو گا جس کی سزا کوئی ایسی شے' چیز یا مالی بدلہ ہی ہو سکتا ہے۔ جسے معاف کر دیا جائے۔ بدلہ میں سے کچھ معاف کر دینے کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جان میں سے کچھ حصہ معاف نہیں کیا جا سکتا (البتہ مالی بدلے میں کچھ معاف کیا جا سکتا ہے۔ قتل خطا میں دیت واجب ہو جاتی ہے جو مقتول کے ورثا کا حق ہے۔ مقتول کے ورثا میں کوئی وارث اپنا حصہ معاف کر سکتا ہے یا تمام وارث دیت میں کچھ معافی دے سکتے ہیں لیکن آدھی جان' تہائی جان' یا چوتھائی جان معاف نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ سزائے موت کلی ہوتی ہے جزوی نہیں۔

لہٰذا سورہ بقرہ کی آیت 178 اور سورہ النساء کی آیات 92' 93 کو ساتھ ملا کر پڑھنے سے واضح ہوا کہ

1- قتلِ عمد کی سزا موت ہے جس میں کچھ معاف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

2- کچھ معاف کرنے کا سوال اس سزا کے ضمن میں پیدا ہو گا جس سے کچھ حصہ معاف کیا جا سکے اور وہ جرم قتلِ خطا ہے قتلِ عمد نہیں۔

پس "تصریفِ آیات" سے ثابت ہوا کہ دیت قتلِ خطا میں ہے۔ قتلِ عمد کیلئے ایسا نہیں ہے۔ قتلِ عمد کی سزا ضرور اور لازمی ہے۔ یہ قابلِ راضی نامہ نہیں ہے۔

(قارئین۔ اس موضوع پر لکھنا پسند فرمائیں تو طلوع اسلام کے صفحات حاضر ہیں۔ مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نویدہ حسن۔ فیصل آباد

"عورتیں بھی انسان ہیں"

(اس مضمون کی تلخیص کنونشن کے اجلاس میں پیش کی گئی)

اس دنیا میں جمادات ہوں یا معدنیات' نباتات ہوں یا حیوانات' اللہ نے ہر شے کے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ جوڑے کا ایک حصہ نر اور دوسرا مادہ کہلاتا ہے اور یہ نر اور مادہ ہر جگہ ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ساخت کے لحاظ سے نر کے مقابلہ میں مادہ' ہر شے میں نازک اندام اور حلیم الطبع واقع ہوئی ہے۔ مادہ کا یہ وصف جس سے کائنات کی خوبصورتی اور رعنائی میں نکھار آیا' انسانوں کی دنیا میں پہنچا تو مرد نے عورت کے اس حسن کو اسکی کمزوری سمجھ کر' اس سے وہ سلوک کیا جو کسی دھات کے ذرے' کیڑے مکوڑے یا حیوان نے بھی اپنی ہم جنس کے ساتھ نہ کیا ہو گا۔

اہل مغرب نے اسے سیکس سمبل سے آگے نہ بڑھنے دیا اور ثنا خوان تقدیس مشرق نے اسے شیطنت کا دروازہ' برائیوں کی راہ' بچھو کا ڈنک' نحوست کی محور' ٹیڑھی پسلی' جہنم کی کمین اور نہ جانے کیا کیا قرار دیا۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ عورت آج تک وہ مقام حاصل نہیں کر سکی جو اس کا پیدائشی حق تھا۔ وہ آج بھی کسی مرد کے ساتھ اس کی زوج بننے کی بجائے اس کی پالتو بیوی ہے' لونڈی ہے یا داشتہ۔ آج کے بظاہر مہذب دور میں بھی ہماری سوچ اس سے آگے نہیں بڑھ سکی کہ گناہوں کی اس پوٹلی کو حاجیوں نمازیوں' مولویوں' صوفیوں اور سفید پوشوں کے ایمان کے لئے مستقل خطرہ بننے سے کیسے روکا جائے؟ یا پھر تقدیس آدم کو ان آہو چشم شعلوں سے کیونکر محفوظ رکھا جائے؟ کبھی اسے گھر کی چار دیواریوں میں بند کر دیا جاتا ہے تو کبھی کپڑے کے تھان میں اس طرح لپیٹ دیا جاتا ہے کہ سانس تک نہ لے سکے۔ جان جاتی ہے تو جائے۔ پردہ بہت ضروری ہے تاکہ مردوں کا ایمان محفوظ رہے۔ کہنے کو تو یہ عورت کے حقوق کی بات ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ چادر اور چار دیواری کے تحفظ کی آڑ میں صنف نازک پر جو ظلم روا ہے اس کا اندازہ شٹل کاک برقع پہن کر ہو سکتا ہے یا منی بس میں مردوں کے درمیان بیٹھ کر۔

عورت کو مرد کی برابری کا کوئی شوق نہیں کیونکہ اس تقابل میں اس کے لئے کوئی کشش سرے سے موجود ہی نہیں۔ اس کا مسئلہ ان حقوق کا تحفظ ہے جو خالق کائنات نے اسے عطا کئے ہیں۔ گھر میں بیٹی' بہن' ماں اور بیوی کے فرائض کو سمجھتے ہوئے' وہ معاشرے میں ایک انسان کی حیثیت سے اپنا تشخص چاہتی ہے۔ گھر میں مرد کو اگر کوئی فوقیت حاصل ہے تو صرف کفالتی ذمہ داری کی وجہ سے' مگر یہ ذمہ داری تو آج کی عورت بھی قبول کئے ہوئے ہے۔ وطن عزیز کی 90 فیصد عورتیں اپنی روزی خود کماتی ہیں۔ گاؤں ہو یا شہر مرد اگر حصول رزق کے لئے

سرگرداں ہے تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے عورت بھی گھر میں بھولا نہیں جھول رہی۔ کام کی نوعیت الگ اور اجرت میں فرق ہو سکتا ہے۔ مگر عورت چونکہ Self Employed ہوتی ہے اس لئے اس کے کام کی اجرت کسی شمار میں نہیں آتی ورنہ گھر دونوں ہی کی تگ و تاز سے چلتا ہے۔ مگر ہوتا کیا ہے دونوں کی مشترکہ محنت سے وجود میں آنے والے گھر کی ہر شے مرد کی ملکیت قرار پاتی ہے۔ حتیٰ کہ دونوں کی محنت سے پروان چڑھنے والے بچے بھی مرد ہی کا ورثہ شمار ہوتے ہیں۔ عورت اس صورت حال پر بھی مطمئن رہ سکتی ہے بشرطیکہ اسے اعتماد ہو کہ اسے اس حیثیت میں بھی گوارا کر لیا جائیگا۔ مگر وہ بیچاری تو روز نکاح سے ہی اس خوف میں مبتلا رہتی ہے کہ نہ جانے مرد کے ہاتھ میں تین دھاری تلوار کب اس کی ہنستی بستی دنیا اجاڑ دے اور اس بھری دنیا میں کوئی اس کا پرسان حال نہ رہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے ہندوستان میں ایک کروڑ پتی خاوند کو وہاں کی عدالت عالیہ نے 60 سالہ مطلقہ کو جس نے اپنی ساری جوانی اس شخص کے ساتھ بسر کی تھی' از راہ احسان کچھ خرچہ دینے کے لئے کہا تو ہندوستانی مسلمان تو ایک طرف یہاں پاکستان کے مذہبی درباروں میں بھی زلزلہ آگیا۔ جگہ جگہ جلوس نکالے گئے کہ ہم مرد کے غیر مشروط حق طلاق پر کسی قسم کی قدغن برداشت نہیں کریں گے۔ یہ ہے وہ مقام جہاں عورت پوچھتی ہے مذہبی پیشواؤں سے' مفکرین ملت سے' حق و انصاف کے ایوانوں سے اور اپنی ہی کوکھ سے جنم دیئے ہوئے انسانوں سے کہ کیا عورتیں انسان نہیں؟

ہماری مذہبی پیشوائیت کے بقول عورت اگر کم عقل ہے' بے اعتبار ہے' ٹیڑھی پسلی اور بچھو کا ڈنک ہے تو مجھے ہمدردی ہے اپنی نوع کے مردوں سے کہ جن کی پیدائش پر ماں' نانی اور دادی کے روپ میں کم از کم تین بلائیں پہلے ہی دن اس کے استقبال کے لئے موجود ہوتی ہیں اور انہی میں سے ایک کی گود میں پرورش پاتا ہے' نوع انسانی کا یہ برخوردار کہ جس نے بڑا ہو کر انہی جیسی ایک عورت کا مجازی خدا بننا ہوتا ہے۔

ویسے یہ مرد بھی عجیب شے ہیں۔ زندگی بھر عورت کو حقیر سمجھتے ہیں اور تمنا رکھتے ہیں مرنے کے بعد بھی حوروں کی جو ان کے خیال میں عورتیں ہی ہونگی۔ بہرحال مجھے کہنا یہ ہے کہ عورت فقط بیوی ہی نہیں۔ وہ ماں بھی ہے۔ انسانوں کو جنم دینا' اپنے خون جگر سے ان کی پرورش کرنا اور معاشرے کو رواں دواں رکھنے میں اس کا ایک اہم رول ہے۔ نپولین نے کہا تھا۔ "تم مجھے اچھی ماں دو میں تمہیں اچھی قوم دونگا" اقبالؒ نے کہا ہے۔ از امومت پختہ تر تعمیر قوم---- اپنی معاشرتی نہج پر غور کیجئے تو نظر آئیگا کہ اپنی زندگی کے ابتدائی پانچ سال میں بچہ ماں کی آغوش ہی میں اپنی شخصیت کی بنیاد رکھتا ہے۔ ماں کا کردار انسان سازی ہے۔ ماں کی اپنی شخصیت ادھوری ہو گی تو نابغہ روزگار ہستیاں کہاں سے ابھریں گی؟۔ خالد بن ولید' طارق بن زیاد' محمد بن قاسم' سرسید احمد خاںؒ' علامہ اقبالؒ اور ہمارے مشفق معلم علامہ پرویزؒ جیسی عظیم ہستیاں کیسے پیدا ہونگی؟۔

ذرا سوچئے عورت سے اس کا جائز مقام چھین کر ہمیں ملا کیا؟ آج ہم قیادت سے محروم ہیں۔ ملک ایک عذاب سے نکلتا ہے تو دوسرے میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ہماری نصف آبادی قومی پیداوار میں شرکت سے محروم ہے۔ آخر ہم اپنے ہی ہاتھوں' اپنے ہی

پاؤں پر کلہاڑی کب تک چلاتے رہیں گے۔ ہمارا شعور کب جاگے گا؟

احترام آدمیت میں عورت کو اس کا مقام دیکر تو دیکھئے آپ کی یہی دنیا جسے آپ جہنم زار سمجھتے ہیں' جنت نظیر بن جائیگی۔ گھروں کا سکون لوٹ آئیگا۔ نسل انسانی کی پرداخت نہ صرف یہ کہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہو گی بلکہ ان ساری قباحتوں سے نجات پا لے گی جنہیں آپ نفسیاتی الجھنوں اور ذہنی بیماریوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ گھر کے خوشگوار ماحول میں پرورش پانے والی ذہنی اور جسمانی طور پر تندرست نسل جب ملک کی باگ ڈور سنبھالے گی تو یہی معاشرہ امن و سکون کا گہوارا بن جائیگا۔ آپ نے عورت کو اس اعتماد سے محروم کر دیا جو حضور نبی اکرمؐ نے اسے عطا کیا تھا۔ یہی عورت زیورات سے لدی ہوئی' تن تنہا' ویرانوں اور صحراؤں میں سے بے خوف گذرتی تھی اور کسی کی جرات نہ تھی کہ اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ سکے۔ یہ اعتماد اسے لوٹا دیجئے۔ عزت و تکریم کا وہ حق بحال کر دیجئے جو حق تعالیٰ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے۔ جھوٹی شان مردانگی اور جابرانہ حاکمیت کے چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیجئے۔ پیار اور محبت میں حاکمانہ نہیں شراکت کا اصول اپنایئے۔ طلاق کی تین دھاری تلوار کچھ وقت کے لئے پابند نیام فرمایئے اور عورت کو ان تمام گناہوں سے باعزت بری کر دیجئے جو گناہ نہ اس نے کئے ہیں نہ وہ کر سکتی ہے۔ سائنس کی رو سے یہ امر' اب ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ لڑکا یا لڑکی پیدا کرنا علم حیاتیات کی رو سے عورت کے بس میں ہے ہی نہیں۔ عورت تو وہ سانچہ ہے جس میں مرد جو کچھ ڈالتا ہے' وہ اسے اپنے قطرات خون سے پروان چڑھا کر واپس اپنے مرد کو دے دیتی ہے۔ اسے دوسری' تیسری اور چوتھی شادی کے لئے بہانہ بنانا چھوڑ دیجئے آپ کا یہ کہنا بجا کہ عورت کا اپنے عزیز و اقارب کی طرف حد سے بڑھ ہوا میلان طبع' گھروں کا سکون تباہ کئے ہوئے ہے لیکن ذرا سوچئے کہ آپ نے عورت کو وہ اعتماد کب دیا کہ خاوند کا گھر اس کے سفر زندگی کا آخری پڑاؤ ہو گا اور اب اسے اپنے عزیز و اقارب کے پاس لوٹ کر جانے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئیگی۔ یہ اعتماد اسے دیجئے اور پھر دیکھئے کہ وہ عزیز و اقارب تو کیا اپنے ماں باپ کو بھی بھول جائیگی۔ دور ملوکیت میں مراعات یافتہ طبقہ نے مذہبی پیشوائیت کی ملی بھگت سے اس کے گرد جو حصار باندھ رکھے ہیں' انہیں مسمار کر دیجئے اور سن رکھئے کہ عورت بھی نوع انسانی کی ایک فرد ہے۔ عورت بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ اللہ ہی نے فرمایا ہے کہ **هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا** (۷/۱۸۹) اور یہ کہ **لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ** -- بنی آدم' (عورت اور مرد) واجب التکریم ہیں اللہ کے اس فرمان کو ذہن میں رکھئے اور مان لیجئے کہ عورت بھی انسان ہے۔

زندگی اپنے ماحول میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں تشکیل نہ پائے۔ (علامہ اقبالؒ -- دیباچہ پیام مشرق)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک حنیف وجدانی

اگلا قدم

(اہل سُنّت کی ایک دردناک چیخ)

طلوع اسلام اکتوبر 95ء میں قارئین کرام کے لئے "اگلا قدم" کا مشورہ پڑھا۔ اس سے پہلے میں پندرہ روزہ "ندائے اہلسنّت" لاہور کا شمارہ قرآن نمبر مارچ 92ء پڑھ رہا تھا۔ اس پرچہ کے اداریہ کو اہل سنت کی درد ناک چیخ یا اگلا قدم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کا آخری حصہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اداریہ کا عنوان ہے آیئے عہد کریں۔

"جب اسلامی معاشروں پر مسلط ہونے والی قوتیں اسلامی اقدار سے تہی دست و اجنبی ہونے لگیں' اس وقت سے انہوں نے قرآن کو اپنے لئے رکاوٹ سمجھنا شروع کر دیا۔ پھر اس مہم کا آغاز ہوا کہ خدا کے کلام کو زندگی کے درمیان سے ہٹا دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دین معاشرتی زندگی سے جدا اور دنیا آخرت سے الگ ہو گئی۔ حقیقی دینداروں اور اقدار پرست دنیا داروں میں ٹھن گئی۔ زندگی کے میدانوں اور مسلمانوں کے معاشروں میں اسلام اور قرآن کو انتظامی منصب سے ہٹا دیا گیا۔ اس کا تعلق عبادت گاہوں' مسجدوں' خانقاہوں' مدرسوں اور فاتحہ و چہلم سے سمجھ لیا گیا۔ نتیجہ یہ کہ آج پورے معاشرے پر نظر ڈالئے قرآن کہاں ہے؟ سرکاری اداروں میں ہے؟ اقتصادی نظام میں ہے؟ معاشرتی نظام میں ہے؟ سیاسی نظام میں ہے؟ اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں ہے؟ خارجہ سیاست یا حکومتوں کے تعلقات میں ہے؟ اقوام و ملل کے مختلف طبقات میں جن کے کم و بیش اثرات ہیں کہیں قرآن نظر آتا ہے؟ عوام میں قومی سرمایہ کی تقسیم میں ہے؟ اسلامی معاشرے کے سربراہوں کے عادات و خصائل میں ہے؟ اسلامی احکام کی انفرادی رفتار میں؟ زن و مرد کے روابط میں؟ خوراک و لباس میں؟ زندگی کے کسی اصلی پرت میں قرآن ہے؟ ایوانوں میں؟ دفاتر میں؟ معیشت میں؟ معاشرت میں؟ زندگی کے اتنے میدان ہیں' ان میں کہیں قرآن نظر نہیں آتا۔ فقط ہدیہ دینے۔ قبرستان میں تلاوت کرنے۔ طاقوں میں سجا کے رکھنے کے لئے رہ گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن انسانی زندگی کی کتاب ہے۔ انسان کی بے شمار جہتیں ہیں۔ وہ انسان جس کی ترقی پذیری کی حد نہیں' سرحد نہیں۔ ہر زمان میں وہ راہنما اور معلم و دستگیر ہے۔ انسان کی مہذب و موزوں زندگی صرف قرآن ہی کے ذریعے سنواری جا سکتی ہے۔ ظلم' نسلی امتیاز' فتنہ و فساد' سرکشی' خیانت و بددیانتی' انسان کے نشوونما اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے اور قرآن ہی کے ذریعے اسے دور کیا جا سکتا ہے۔ انسانی زندگی کا منشور قرآنی ہدایات بناتی ہیں۔ قرآن کی طرف رجوع انسان کی شائستہ و پاکیزہ ارفع و اعلیٰ زندگی کی طرف رجوع ہے۔ اس عمل کی ذمہ داری قرآن پر ایمان رکھنے والوں پر عموماً اور

قرآن جاننے والوں پر اس سے زیادہ ہے۔ قرآن کی طرف رجوع ایک نعرہ ہے۔ یہ نعرہ اگر حقیقت بن جائے تو یہ حق و باطل میں فرق کر دے۔ جو قوتیں قرآن کی طرف بازگشت کو برداشت نہیں کر سکتیں ہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ایسی قوتوں کو برداشت نہ کریں"۔

پندرہ روزہ ندائے اہلسنت لاہور

قرآن نمبر مارچ 92 صفحہ 6

قارئین طلوع اسلام ! یہ ہے اگلا قدم۔ انسان شعوری و لاشعوری طور پر قرآن کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ جہاں قرآن نہیں پہنچا۔ اسے وہاں پہنچایئے۔ یہی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اور ندائے اہل سنت سے ہم یہی پوچھیں گے کہ آپ نے اب تک کہاں کہاں قرآن پہنچانے کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔ کون کون سی مشکلات پیش آئی ہیں۔ کس نے رکاوٹ ڈالی اور کیوں؟ مشروط یا غیر مشروط ! کیا آپ نے جاگیرداروں سے کہا ہے کہ اس زمین کا مالک اللہ جل جلالہ' ہے۔ اس کی خرید و فروخت ممنوع ہے۔ آپ نے سرمایہ داروں سے کہا ہے کہ وہ ضرورت سے زائد دولت کم از کم ایک بار تو فلاح انسانیت کے لئے دیدیں۔ آپ نے حکام سے کہا ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔ لہٰذا تعلیم سب کے لئے مفت اور عام کی جائے۔ یہ سہولتیں یکساں دی جائیں۔

یاد رکھئے ! جب تک "شہری حقوق" کا ایک یکساں بل پاس نہ کروایا جائے جو قرآن کے مطابق ہو۔ تو ہمارے ہاں طبقاتی حقوق کا تحفظ تو ہو گا لیکن عوام الناس کے حقوق کا تحفظ نہیں ہو گا۔ اس کے لئے میدان عمل میں آیئے !

حکیم الامت علامہ اقبال رحمتہ اللہ وبرکاتہ' نے قرآنی بصیرت کے مطابق کہہ دیا تھا کہ اسلامی معاشرہ وہی ہو گا جس کے متعلق کہا جا سکے کہ ۔

کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست
آدمیت ! احترام آدمی !
باخبر شو از مقام آدمی

اور میں ان گذارشات کو حضرت علامہ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں کہ ۔

تا نخیزد بانگ حق از عالمے
گر مسلمانی ! نیاسائی دمے

سجدہ سہو

نومبر 95 کے شمارہ میں صفحہ 41' کالم 2 میں جناب عقیل بن ابی طالب کو حضورؐ کے "چچا زاد" کی جگہ سہواً "چچا" لکھ دیا گیا جس کے لئے ہم حضور نبی اکرمؐ اور اپنے قارئین سے بصد ندامت معذرت خواہ ہیں۔

مدیر مسئول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمت اللہ طارق

ایک توانا مگر مظلوم آیت

قرآن مجید دنیا کی مظلوم ترین کتاب ہے۔ مفسرین کا ظلم، اہل تصوف کا بیداد، روایات کا ستم، قاریوں کی جفا، شان نزول کے کچوکے، اختلافِ قرأت کی چیرہ دستیاں اور ناسخ و منسوخ کے اوچھے وار ہی کم نہ تھے کہ اپنوں کی دیکھا دیکھی داعیانِ اجرائے نبوت کو بھی اس پر ستم ڈھانے کی جرأت ہوئی۔

قرآن کریم کے وسیع المعانی الفاظ کو سیاق و سباق سے الگ کر کے لوگ ان کے لغوی معانی کو کس طرح اپنی مطلب براری کے لئے استعمال کرتے ہیں، اس کی ایک مثال لفظ "وسطا" میں ملتی ہے جس کے معنی وسطی (درمیانی) کر کے امت مسلمہ کے بعد مزید امتوں کا جواز تلاش کیا جاتا ہے۔

سورہ بقرہ کی آئت 143 میں قرآن کریم میں امت مسلمہ کے متعلق کہا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔۔ (2:143)

اس طرح ہم نے تمہیں ایک امتِ وسط بنایا ہے جس کا فریضہ یہ ہے وہ تمام نوع انسانی کے اعمال کی نگرانی کرے۔

اس آیہ جلیلہ میں لفظ وسطا" قابل غور ہے۔ عربی لُغت کی رو سے :

الوسط :- ہر چیز کا درمیانی حصہ۔ تاج

وسوط الشمس :- آفتاب کا آسمان کے درمیان آجانا۔ تاج

وسط کے معنے مصالحت کنندہ :- امام محمد بن ابوبکر رازی (1229م) لکھتے ہیں۔ وسط' کا لفظ وعد کے باب سے ہے **والتوسط بین الناس من الوساط**۔۔ کے معنے لوگوں کے "بگڑے معاملات کو سنوارنے کا فریضہ سرانجام دینے والے کے ہیں۔

(مختار الصحاح طبع علوم القرآن کمپنی دمشق و بیروت ص 720)

امام زمخشری (1144م) لکھتے ہیں **وسطة القوم و توسط بین الخصوم**۔۔ لوگوں کے معاملات کو سلجھانے والے کو۔ وسطة القوم یا توسط بین الخصوم کہتے ہیں۔

(اساس البلاغہ طبع امیریہ قاہرہ ص 498 کالم نمبر 3)

یہی کام ایک آدمی کرے تو وسیط کہا جاتا ہے اور بہت سے ہوں تو وسائط۔ اور یہ وسیط اور وسائط ایک گونہ گواہ بھی ہوتے ہیں (اساس البلاغہ ص 498)

جاہلی شاعر۔ زہیر (627م) کہتا ہے

هم وسط یرضی الانام بحکمهم
اذا نزلت احدے اللیالی بمعظم

وہ اتنے پسندیدہ انسان ہیں کہ لوگ ان کے اشارے پر نذر جان پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ (اساس البلاغہ ص 498)

اب معنے صاف ہو گئے کہ امت محمدیہؐ کے پاس چونکہ الٰہی پروگرام اصلی صورت میں محفوظ ہے

لہٰذا اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ ادیان و ملل کے باہمی اختلافات نمٹانے اور نزاعات کو صحیح جہت دینے میں ثالث و منصف کا کام بھی کرے گی اور بقرہ (143) کے مطابق لوگوں کی غلط روش زندگی کے خلاف ردعمل کا اظہار بھی کرے گی **لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ**--

وسط "میانہ روی" :- افراط و تفریط سے محفوظ پیغام بھی انفرادی خوبی رکھتا ہے کیونکہ میانہ روی کے اطراف نہیں ہوتے بنابریں اس میں "گروہیت" نہیں ہوتی امام راغب (1108م) لکھتے ہیں-

استعمال القصد المصئون عن الا فراط و التفویط-- "بخل اور اسراف کے درمیان جس طرح جود و سخا کا مقام ہے وہی مقام مفرطین اور متفرطین کے مابین وسطاء کا ہے (مفردات القرآن طبع دارا لفکر بیروت ص 559)

اور یہ بات بھی قرآن کے حق میں جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایسی پالیسی عطا کرتا ہے جو جانبداری اور افراط و تفریط کے جراثیم سے محفوظ ہے-

وسط کے معنے پسندیدہ :- امام زمخشری عرب کے ایک محاورے کے حوالہ سے لکھتے ہیں-

اکتریت من اعرابی فقال اعطنی من سطائنه ارادمنخیار الدنا نیر-- میں نے دیہاتی سے کچھ نقدی ادھار لے لی- اس نے کہا جب لوٹاؤ تو کھرے دینار (سطاء) لوٹا دینا- (اساس البلاغہ ص 498 کالم 3 سطر 19 تا 20)

یہ معنے بھی مسلمانوں کے کام اور پیغام کے کھرے ہونے کی شہادت فراہم کر رہے ہیں لہٰذا وسطاء کے معنے خالی درمیان کے نہیں رہے' کھرے اور عمدہ کے ہو جاتے ہیں-

روشن ہیرا :- محمد بن ابوبکر رازی- لغت اور ادب کے بڑے امام جوہری (1003م) کے حوالے سے لکھتے ہیں- **واسطة القلادة الجوهر الذی فی وسطها و هوا جود ها وهی الجوهرة الفاخرة**-- موتیوں (یا سونے) کی مالا کے درمیان دمکتا موتی (یا سونے کے پیس میں جڑاؤ ہیرا) رکھا جاتا ہے جس سے مالا کا تمام تر حسن سمٹ کر اسی درمیانے دانے میں مرتکز ہو جاتا ہے وہی قابل فخر جوہر کی حیثیت رکھتا ہے- (مختار الصحاح طبع دمشق و بیروت ص 720 کالم نمبر 2)

یہ معنے بھی صرف قرآن اور اس کے تصدیق شدہ اسلام ہی پر صادق آتے ہیں کہ وہ ادیان و ملل کی مالا کے وسط میں دمکتے ہیرے کی طرح ضوفشاں ہے- ایسا ہیرا جو ادیان عالم کے بے نور خزانوں میں ناپید ہے-

وسط کے معنے عالی رتبہ :- راغب (1108م) لکھتے ہیں- **هذا اوسطهم ارفعهم محلا**--- جب کسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جائے کہ وہ ان میں وسطاء ہے تو معنے ہوں گے رتبہ اور مقام کے لحاظ سے اونچا ہے- (راغب 559)

اس محاورہ کی رو سے بھی مفہوم واضح ہے کہ "امت محمدیہؐ" دیگر اُمتوں سے افضل' اعلیٰ' رفیع المنزلت اور عالی رتبہ ہے کیونکہ ان کی کتاب بھی "عالی رتبہ" ہے اور کیوں نہ ہو جس امت میں ابوبکرؓ' عمرؓ' عائشہؓ اور عثمانؓ جیسے شاہکار رسالت ہوں وہ رتبہ اور منزلت کے لحاظ سے کتنی اونچی ہو گی-

یہ درست ہے کہ لفظ "وسطا" وسیع المعانی لفظ

ہے اور مختلف جملوں میں اس کے مختلف معانی ہو سکتے ہیں۔ سیاق و سباق سے ہٹ کر آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی چیز وسط میں ہے، تو اس کی اطراف بھی ہونی چاہئیں۔ نقطہ ہے تو اس کا محیط بھی لازم ہے۔ عدد ہے تو اس کے پہلے اور بعد بھی کوئی عدد ہونا چاہئے لیکن آیہ مذکور میں اس لفظ کے معانی کو جس زاویۂ نگاہ سے بھی دیکھا جائے اس کے مآل حضور نبی اکرمؐ کی وفات کے چودہ سو سال بعد کسی اُمت کے لاحقے کے کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتے۔ ترجمہ پوری آیت کا کیا جائے تو اس کے معنی وہی ہو سکتے ہیں جو آیہ مذکور کے نیچے درج کئے گئے ہیں۔

قرآن میں ہے -------!

پروفیسر نجمی صدیقی۔

بقائے آدمی قرآن میں ہے
مکمل آگہی قرآن میں ہے

بغیر اسکے جو ہے زندہ نہیں ہے
حقیقی زندگی قرآن میں ہے

محمدؐ نور تھے تو نور انکا
مجسم روشنی قرآن میں ہے

حدیثوں سے حوالے ڈھونڈتے ہو
تو کیا کوئی کمی قرآن میں ہے

چھپایا کچھ نہیں امت سے اسنے
جو اترا تھا سبھی قرآن میں ہے

مکمل دین ہے دین محمدؐ
ہماری زندگی قرآن میں ہے

وہ اوصاف حمیدہ قوم میں ہوں
بنو جو آدمی قرآن میں ہے

خدا خود آپ ہے اس کا محافظ
جو تھا سب کچھ وہی قرآن میں ہے

یہ القا کیا ہے اور یہ کشف کیا ہے
اگر حرف آخری قرآن میں ہے

محمدؐ کا سراپا دیکھ لیجئے
وہی جلوہ گری قرآن میں ہے

جو پوچھو تو بتائے گا تمہیں صاف
طریق بندگی قرآن میں ہے

ہو غم دنیا کا یا عقبیٰ کا نجمی
علاج بیکلی قرآن میں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایف ڈی فاروقی (بریڈ فورڈ)

یہ خدا کا عذاب تو نہیں؟

سالہا سال کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس بار بھی گرمیوں کے موسم میں یہاں پاکستان کے بڑے بڑے سیاسی لیڈروں، علمائے کرام اور پیران عظام کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ جلسوں، جلوسوں اور کانفرنسوں کی گہما گہمی ہے۔ میں اتفاق سے ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوا، اس لئے میں بھی پیدائشی مسلمان ہوں۔ دین اسلام کے بارے میں میرا علم بس واجبی سا ہے کہ اسلام ایک سیدھا سادہ دین ہے۔ اس میں عصبیت نہیں بلکہ ایک عالم گیر معاشرے کی دعوت ہے، ایک عالمی امن کی اساس۔ ایک پروردگاری خدائی کا اقرار اور ایسے شخص کی رسالت کا اعلان ہے جو اپنی پرستش کیلئے نہیں بلکہ خدا کی عبادت کیلئے نوع انسانی کو پکارتا رہا۔ قرآن اللہ کا کلام ہے، اسلام نے امتیاز اور بالادستی کے تمام قومی اور نسلی مرتبے بہ یک جنبش قلم مٹا کر دنیا کو بتا دیا کہ سب انسان برابر ہیں، سب کے حقوق مساوی ہیں، نسل، قومیت اور رنگ میں کوئی بڑائی نہیں۔ فضیلت صرف عمل میں ہے اور سب سے بڑا وہی ہے جس کے کام اچھے ہوں۔ قرآن کی تکمیل کے بعد اس میں زیر زبر یا پیش کی تحریف نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی ترتیب میں تبدیلی ہوئی ہے۔ وہ جیسا مقدس تھا ویسا ہی رہا لیکن شارحین اسلام کی لمبی چوڑی وضاحتوں نے بے شمار فرقے پیدا کر دیئے۔ اصلی احادیث اور نقلی احادیث کی گڈ مڈ نے تاریخ اسلام کے شجر کی اس قدر کانٹ چھانٹ کی۔ اس قدر پیوند لگائے کہ اس کا اصل رنگ روپ ہی بدل کر رکھ دیا۔ آج اسلام کے نام پر بے شمار فرقوں اور ان کے عقائد کی دھما چوکڑی مچی ہوئی ہے۔ وہابی، سنی، شیعہ کے علاوہ ان گنت شاخیں ہیں مثلاً بریلوی ہیں، دیوبندی ہیں اور پھر آگے ان کی مختلف شاخیں ہیں۔ ان فرقوں کے علاوہ بے شمار خانقاہی سلسلے اور مشائخ کی حلقہ بندیاں ہیں۔ ان میں عقائد کی متحارب رنگا رنگی ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ پاکستانی مسلمانوں کے عقائد کی سرائے میں داخل ہو جاؤ تو بھڑوں کا چھتہ ہے۔ ہمارے نام نہاد علما و مشائخ نے کیا کیا نہیں کیا۔ اکبر اعظم کے ساتھ ایسے ہی بڑے بڑے علمائے کرام اور مفتیوں کا گروہ تھا، جنہوں نے اکبر اعظم کا دین الٰہی ایجاد کیا۔ اسلام کی پوری تاریخ ایسے علما سے بھری پڑی ہے جن کی بدولت اسلام ہر دور میں سسکیاں لیتا رہا۔ راست باز زبانیں چند ہی ہوتی ہیں۔ ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا لیکن برصغیر کی جنگ آزادی میں بعض مشائخ و علما نے ہی جہاد کو منسوخ و متروک قرار دیا تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کو مجرم ٹھہرا کر فتوے دیئے کہ وہ فساد فی الارض کے مجرم ہیں۔ مکہ مدینہ پر گولیاں چلانے کے فتوے انہوں نے صادر کئے اور ان فرقہ پرستوں نے عقیدوں کے چھوٹے چھوٹے مسئلوں کا طوفان اس لئے کھڑا کر دیا کہ فرقوں میں حد بندی کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ بیسیوں مسائل پیدا

کر کے مسلمانوں کو آپس میں بھڑا دیا۔ علما کی مختلف شاخوں نے کفر سازی کی فیکٹریاں بنا لیں پہلے کافروں کو مسلمان بنایا جاتا تھا لیکن یہ مفاد پرست اور فرقہ بندی کے سرخیل مسلمانوں کو کافر بنانے لگے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد برصغیر کے حریت پسند انگریز کی غلامی کے خلاف اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے اور جگہ جگہ ہڑتالیں اور مظاہرے جاری تھے۔ برطانوی حکومت نے اس تحریک کو مٹانے کیلئے پنجاب کے مختلف شہروں میں گولیاں چلا کر بربریت کا ثبوت دیا امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں برٹش فوج اور پولیس نے نہتے لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر کر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ جب لوگوں نے خون میں تڑپتے ہوئے انسانوں کو اٹھایا تو ان میں پانچ سو لاشیں تھیں اور پندرہ سو لوگ لہولہان ذبح شدہ پرندوں کی طرح تڑپ رہے تھے۔ پورے ملک میں اس واقعہ سے کہرام مچ گیا۔ اس ولولہ انگیز طوفان کو دیکھ کر برطانوی حکومت نے پنجاب کے ظالم گورنر مائیکل ایڈورڈ' جنہوں نے اس قتل عام کا حکم دیا' کو برطرف کر کے برطانیہ واپس آنے کا حکم دیا تاکہ دکھی لوگوں کے جذبات ٹھنڈے کئے جائیں لیکن پنجاب کے ان نام نہاد پیروں' سجادہ نشینوں اور علمائے مشائخ نے جس کاسہ لیسی اور مفاد پرستی کا مکروہ کردار ادا کیا وہ ہماری تاریخ کا ایک شرمناک باب ہے۔ ان نامور گدی نشینوں' پیران طریقت اور مشائخ عظام نے جلیانوالہ کے خونی درندے ایڈورڈ کو گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں ان کی "شاندار" خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ایک سپاسنامہ پیش کیا' جن میں تین سو سے زیادہ مذہبی پیشوا شامل تھے۔ سپاسنامہ میں ان لوگوں نے خوشامد کی انتہا کرتے ہوئے حریت پسند انقلابیوں کو دہشت گرد اور ملک و ملت کے دشمن قرار دیا۔ ان پیران طریقت کی اولاد آج بھی ان خانقاہوں درباروں اور مزاروں پر اپنے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

برطانیہ میں آنے والے اکثر پیران کرام کا تعلق پاکستان کی کسی خانقاہ یا مزار سے ضرور ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا بریڈ فورڈ کے دو تین شخص آئے اور کہنے لگے حضور پیر صاحب کی خواہش ہے کہ آپ ان کا انٹرویو کریں۔ اگر مناسب سمجھیں تو کل دوپہر کا کھانا بھی حضور کے ساتھ کھائیں۔ دوسرے دن کھانے پر پیر صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے چند لکھے ہوئے سوال میرے ہاتھ میں تھما دیئے اور کہا کہ آپ کی سہولت کیلئے ہم نے یہ کام خود ہی انجام دیا ہے۔ سوالات کے کاغذ پر سرسری نظر دوڑائی تو نہایت لذیذ مرغ کی نرم بوٹی حلق میں پھنس گئی۔ آپ کے دادا حضور رحمتہ اللہ علیہ کب پیدا ہوئے؟ حضور والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے معجزات کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایئے۔ آپ نے تبلیغ اسلام کے دور میں بیرون ممالک کتنی مرتبہ سفر کیا ہے اور اب کہاں کہاں دینی مراکز قائم کرنے کا ارادہ ہے؟ میں نے سوالنامہ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا اور کہا کہ جناب اگر اجازت دیں تو بے تکلف ہو کر کچھ عرض کروں۔ میرا پہلا سال تھا۔ کیا درست ہے کہ آپ نے چند ماہ پہلے اپنے ایک مرید کی اٹھارہ سالہ بچی سے شادی کی ہے جس کی عمر آپ کی بیٹی سے بھی کم ہو سکتی ہے۔ پاس بیٹھے ایک مرید نے ترش روئی سے جواب دیا۔ یہ ذاتی سوال ہے آپ دین کے بارے میں بات کریں۔ عرض کیا کہ دین اسلام محبت یگانگت اور یکجہتی کا مرقع ہے۔ اس میں تفریق پیدا

کرنے والے کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا دین میں تفریق پیدا کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے- عرض کیا کہ جناب پیر صاحب یہ جو برطانیہ بھر کے پیر صاحبان نے اپنے اپنے مریدوں کو علیحدہ علیحدہ رنگوں کی ٹوپیاں اوڑھنے کی روایت شروع کی ہے کیا یہ تفریق کا عمل نہیں؟ فرمایا یہ تفریق نہیں عقیدت کا عمل ہے- میں نے پوچھا عقیدہ کسے کہتے ہیں؟ پیر صاحب نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگے چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے- پوچھا کہ برطانیہ میں اکثر پیر صاحبان جو مسجدوں کی سرپرستی فرما رہے ہیں ہر جمعہ یا دوسرے موقعوں پر ہر سال جو لاکھوں پونڈ جمع ہوتے ہیں میرے خیال میں ان میں بیشتر کے جمع خرچ کا کوئی آڈٹ نہیں ہوتا- اور نوے فیصدی چندہ پاکستان منتقل ہو جاتا ہے- کئی پیر حضرات نے مسجدیں جو خدا کا گھر ہوتی ہیں اپنے ذاتی نام پر خرید رکھی ہیں- پیر صاحب نے فرمایا ظہر کا وقت ہو گیا' ہم وضو کے بعد واپس آتے ہیں- وضو کے بعد پیر صاحب نے پوچھا کوئی اور سوال میں نے عرض کیا کہ گرمیوں کی آمد کے ساتھ ہی پیر صاحبان' علمائے کرام' سیاسی لیڈروں اور ناچ گانے والے طائفوں کا سیلاب امڈ آتا ہے کیا اس کی وجہ کھلا موسم' سیر و تفریح اور کاروباری لحاظ سے مالی مفاد کا سیزن نہیں ہوتا؟ استغفار کہتے ہوئے پیر صاحب نے فرمایا' ناچ گانے والوں یا سیاسی لوگوں کے ساتھ ہم کو شامل نہ کریں ہمارا مشن تو صرف تبلیغ اسلام ہے اور ہم ہر سال آتے ہیں- میں نے کہا جناب برطانیہ کے خوشگوار اور منفعت بخش ماحول کی بجائے آپ اسلام کی تبلیغ کیلئے یوگنڈا' ایتھوپیا' خرطوم یا جنوبی افریقہ کے ان علاقوں میں کیوں نہیں جاتے جہاں غربت اور بیماریوں نے تباہی مچا رکھی ہے- فرمایا ہمیں عرب اور افریقی زبانوں پر عبور نہیں- میں نے پوچھا کیا آپ انگریزی میں روانی سے گفتگو کر سکتے ہیں؟ پیر صاحب نے کہا نماز کا وقت جا رہا ہے آپ کے سوالات بڑے دلچسپ ہیں میں انشاء اللہ آپ کو کل فون کروں گا- میں آج تک پیر صاحب کی کال کا انتظار کر رہا ہوں-

ایک دن چند باریش نورانی چہرے دفتر میں تشریف لائے- سلام کے بعد معلوم ہوا کہ پاکستان سے پچیس حضرات پر مشتمل ایک وفد آیا ہے اور انہوں نے مختلف شہروں کو آپس میں تقسیم کر کے اشاعت دین اور اصلاح عامہ کی ذمہ داری سنبھالی ہے- وفد کے رکن اعلیٰ نے بتایا کہ دارا لکفر برطانیہ میں مسلمانوں میں بے راہ روی اور اسلام سے بغاوت کے جراثیم بڑھ رہے ہیں- ہمارے آنے کا مقصد لوگوں کو بھلائی کی تلقین کرنا اور اپنی عاقبت درست کرنے کیلئے اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کی تبلیغ کرنا ہے- ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان کی طرح یہاں بھی اسلام کا بول بالا ہو اور دارا لکفر دارالامان بنے- میں نے چائے کپوں میں انڈھیلتے ہوئے رکن اعلیٰ سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ جناب آپ کے کتنے بچے ہیں- بیٹے اور بیٹیاں کتنی ہیں؟ انہیں خاموش دیکھ کر کہا کہ ایک اہم دینی اور اسلامی موضوع پر آپ کی رائے کا طالب ہوں- میری چار بچیاں ہیں آپ سے اسی مسئلہ پر بات کرنی ہے- انہوں نے فرمایا کہ میری دو صاحبزادیاں ہیں- میں نے کہا مولانا یہ دارا لکفر ہے اس ملک میں میری یا کسی بھی شخص کی بیٹی بہو یا بیوی آدھی رات کے وقت تن تنہا ٹرین یا بس میں سوار ہو کر بلا خوف و خطر لندن سے گلاسگو یا ملک کے ایک سرے سے دوسرے

سرے تک سفر کر سکتی ہے۔ اس کافروں کے ملک میں جہاں آپ لوگوں کے عمل سیدھے کرانے اور دین کی شمع روشن کرنے آئے ہیں۔ یہ واقعی بڑا نیک مقصد ہے لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں آپ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیں کہ ہماری کوئی بیٹی یا بہن دن میں کراچی سے پشاور تک اکیلے سفر کر سکتی ہے؟ میرے سوال کے جواب میں چاروں مولوی صاحبان آدھا آدھا کپ چائے چھوڑ کر خدا حافظ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے۔

قارئین کرام! برطانیہ بھر کی تمام مساجد کا گہری نظر سے جائزہ لیں تو آپ کو محسوس ہو گا کہ چند بڑے شہروں اور اہم علاقوں کو چھوڑ کر اکثر و بیشتر مساجد میں نیم خواندہ قسم کے بقلم خود مولوی صاحبان ہی جلوہ افروز نظر آئیں گے۔ معیاری تعلیم رکھنے والے باشعور اور انگریزی تعلیم پر عبور رکھنے والے علمائے کرام کی تقرری سے مسجد کمیٹیوں کے ٹھیکیداروں کی انا اور دکانداری کو نقصان پہنچتا ہے' اس لئے ان کی دال نہ گل سکی اور بعض نہایت ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور قابل قدر علمائے کرام مساجد کے تعلیمی معیار پر پورا نہ اترنے پر بے آبرو ہو کر سبکدوش کر دیئے گئے۔ چنانچہ آج صورت حال یہ ہے کہ برطانیہ میں گذشتہ چالیس سال سے پیدا ہونے والے بچوں میں ایک بھی ایسا نہیں جسے ہم فخر سے عالم دین کہہ سکیں۔ اس افسوس ناک صورت حال کا المناک پہلو یہ ہے کہ آج برطانیہ بھر کی تمام مساجد میں سیاست کا کاروبار پورے عروج پر ہے۔ مسجد سیاست کیلئے نہایت ہی سہل اور آسان جگہ ہے۔ یہاں لوگوں کے جذبات کو باسانی انگیخت کیا جا سکتا ہے گذشتہ پچیس سال میں سب سے ذلت آمیز جھگڑے اور فسادات مسجدوں میں ہی ہوئے ہیں مسجدوں میں قتل بھی ہوئے۔ پولیس کتوں اور ہوتوں سمیت مسجد میں داخل ہونا۔ رمضان المبارک میں نمازیوں کا لوہے کے سریوں سے ایک دوسرے کو زخمی اور لہولہان کرنا اور مسجدوں کو تالے لگنا کس کو یاد نہیں۔ بلکہ ایک مسجد کے صحن میں تو دیوار کھڑی کر کے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا کہ لوگ علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے رب کی عبادت کر سکیں۔ اس کے علاوہ بھی لندن' مانچسٹر' بریڈ فورڈ جیسے شہروں کے کچھ پیروں نے اس قدر افسوسناک حرکتیں کی ہیں کہ جس سے برطانیہ میں بسنے والے مسلمانوں کی بہت رسوائی ہے۔

ہماری مسجدوں میں جھگڑے فساد ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسجد کی قبضہ گروپ انتظامیہ کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مسجد کا کنٹرول ہر صورت صلح صفائی یا مارپٹائی سے ان کے ہاتھوں میں رہے اور نماز پڑھانے والا ان پڑھ علامہ ان کے تابع فرمان ہونے کے علاوہ ان کے مسلک کا ہو۔ میں گذشتہ اکتیس برس سے برطانیہ میں رہ رہا ہوں۔ جب یہاں پہنچا تو پورے ملک میں دو تین علامے تھے لیکن خود رو پودوں اور ککڑیوں کی طرح برطانیہ میں علاموں کا ریلا بڑھتا گیا۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے دستخط بھی صحیح طریقے سے نہیں کر سکتے۔ بعض عرس مبارکوں یا گیارہوں شریفوں کے اشتہاروں میں ان' ان پڑھ لوگوں کے ناموں کے آگے ایک ایک گز لمبے القابات دیکھتا ہوں تو سر گھومنے لگتا ہے۔

قصور شہر کے ایک درویش منش صوفی بلھے شاہ نے کہا تھا کہ عالم فاضل میرے بھائی۔ پڑھیاں تو ڈرناں میں۔ یعنی میں صاحب علم اور دانش مندوں

سے پیار کرتا ہوں انہیں اپنا بھائی سمجھتا ہوں لیکن علم کا نقاب اوڑھنے والے جاہلوں سے خوف کھا کر تھر تھر کانپتا ہوں کہ ایسے لوگ نہایت خطرناک ہوتے ہیں اور قارئین کرام برطانیہ میں اکثریت ایسی پاپڑھیوں کی ہے یہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں۔ ان کے پاؤں میں فرقہ بندی کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں یہ لوگ اسلام کے نام پر بھی متحد نہیں ہو سکتے۔ گذشتہ اکتیس برس میں انہوں نے شاید ہی تین چار بار عیدیں اکٹھی منائی ہوں گی۔ جو لوگ فطرانوں کے لاکھوں پونڈ حاصل کرنے کے بعد لوگوں کو اکٹھی خوشیاں نہیں دے سکتے۔ جو آپس میں اتحاد نہیں کر سکتے وہ اتحاد بین المسلمین کا درس کس زبان سے دے سکتے ہیں۔ جہاں اس ملک میں ناخواندہ مولویوں کی یلغار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پہلے پہل جب ہم لوگ یہاں آئے تو مسجدیں نہیں تھیں۔ لوگوں نے باہم اشتراک سے چندہ اکٹھا کر کے اپنے اپنے شہروں میں مکان خرید کر انہیں مسجدوں کا نام دیکر عبادت کرنی شروع کر دی۔ آبادی بڑھتی گئی گھروں والی مسجدوں کی تعداد بڑھتی گئی جن لوگوں کے ہاتھوں میں مسجدوں کا انتظام تھا وہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی سوچ اور عقل کے مطابق اپنے اپنے گاؤں سے اپنے جیسے نیم خواندہ مولوی درآمد کرنے شروع کئے۔ پھر اس عبادت کے مشن نے ایک کامیاب اور فائدہ مند تجارت کا رنگ اختیار کر لیا اور اس طرح پاکستان سے آنے والے پیروں نے جن کا پاکستان کی خانقاہوں سے تعلق تھا یہاں خانقاہوں کے خلاء کو مسجدوں پر قبضہ کر کے پر کر لیا۔ جلسوں اور جلوسوں سے ان کی محفلوں میں گہما گہمی اور تعلق افروزی ہے۔ اپنے اپنے جھنڈے اور اپنے اپنے ڈنڈے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ جس قوم کی ذہنی فضا نفرت کی آب و ہوا سے تیار کی گئی ہو اس میں ایک متمدن قوم کی آب و تاب کس طرح پیدا ہو سکتی ہے اور کیا ظالم و جابر حکمرانوں کے اقتدار کے شکنجے کی طرح فرقہ بندی کی قباؤں کا تسلط خدا کا عذاب تو نہیں؟۔

یہ مضمون۔ روزنامہ جنگ لندن کی 21 ستمبر 95ء کی اشاعت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

ضرورت رشتہ

ڈینٹل سرجری کی طالبہ کے لئے اعوان فیملی سے موزوں رشتے کی تلاش ہے۔
لڑکا ڈاکٹر ہونا چاہئے۔
رابطہ کے لئے :- نسیم عالم زیب۔ مکان 17/8-1775' گلی نمبر 8 ب
ایم ڈی اے روڈ۔ طارق آباد' ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

روزہ کے احکام

چونکہ رمضان المبارک کا مہینہ قریب آرہا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ (معمول کے مطابق) قرآن کی رو سے روزے کے احکام مختصر الفاظ میں بیان کر دیئے جائیں۔ یہ احکام سورہ بقرہ میں آئے ہیں۔ متعلقہ آیات یہ ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (2/183)- "اے پیروان دعوت ایمانی! جس طرح تم سے پچھلی قوموں پر روزہ فرض کیا گیا تھا۔ اسی طرح تم پر بھی روزہ فرض کر دیا گیا ہے تاکہ تم قانون خداوندی کی نگہداشت کر سکو"۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ "یہ روزے چند گنے ہوئے دنوں کے ہیں"۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ "پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے"۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ "اور جو لوگ بدشواری روزہ رکھ سکیں ان کے لئے روزہ کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا کافی ہے"۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ____ "روزے رمضان کے مہینے کے ہیں جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے"۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ (2/183-185)- "لہٰذا تم میں سے جو کوئی اس مہینہ میں اپنے گھر پر موجود ہو تو اسے اس مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں۔ البتہ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو ___ تو وہ دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے"۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۡ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ (2/187)- "اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے متمیز ہو جائے۔ پھر رات تک روزہ پورا کرو"۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَاۗىِٕكُمْ ۭ (2/187)- "اور تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے اختلاط حلال کیا گیا ہے"۔

ان آیات سے معلوم ہو گیا کہ:

1- روزے رمضان کے مہینے کے ہیں (تین دن یا نو دن کے نہیں بلکہ پورے مہینے کے)

2- روزے میں' اس وقت سے لے کر جب صبح کی سفیدی نمودار ہو جائے' دن کے ختم ہونے تک کھانا پینا اور بیوی سے اختلاط منع ہے۔

3- روزے اس کیلئے ہیں کہ جو اس مہینہ میں

اپنے گھر پر موجود ہو اور تندرست ہو۔ مریض تندرست ہونے پر اور مسافر سفر سے واپسی پر دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے۔

4- اب ایک شکل اور باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص (عام عرفی معنوں میں) نہ تو بیمار ہے اور نہ مسافر ہے۔ لیکن کسی وجہ سے اسے روزے رکھنے دشوار ہیں۔ مثلاً ایک بوڑھا آدمی اپنے گھر پر موجود ہے اور مریض بھی نہیں لیکن بڑھاپے کی وجہ سے کمزور اتنا ہے کہ بمشکل روزہ رکھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے۔ ایسے لوگوں کا حکم، شق نمبر 4 میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ ایسے ہوں کہ بمشکل روزہ رکھ سکتے ہیں انہیں اپنے آپ کو دشواری میں ڈالنے کی ضرورت نہیں وہ روزہ کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

غور فرمایئے! اوپر کی چاروں شقوں میں ہر قسم کے حالات جمع ہو گئے ہیں اور یہی احکام کی جامعیت کا تقاضا تھا۔

ہم نے **وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ** کا ترجمہ-- وہ لوگ جو بدشواری روزہ رکھ سکیں--- کیا ہے۔ حالانکہ اس کا عام ترجمہ-- اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں---- کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس ترجمہ کی رو سے مطلب یہ ہو گا کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ وہ تو ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں اور جن میں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہ ہو وہ روزے رکھا کریں۔ حالانکہ قرآن کا منشاء یہ نہیں ہو سکتا۔

بات یہ ہے کہ لفظ "طاقت" کا جو مفہوم ہمارے ہاں اردو میں رائج ہے وہ اس سے مختلف ہے جو عربی زبان میں اس کا مفہوم ہوتا ہے۔ ہمارے مترجمین نے عربی کے لفظ 'طاقت' کا ترجمہ اردو کے لفظ "طاقت" سے کر دیا۔ ان دونوں زبانوں کے مفہوم میں جو فرق تھا اسے نظر انداز کر گئے۔ عربی زبان میں اس لفظ کا کیا مفہوم ہوتا ہے۔ اس کے لئے عربی زبان کی لغات دیکھئے۔ محیط المحیط جلد دوم ص 1304 میں ہے۔

"طاقت کے معنی کسی چیز پر قدرت رکھنا ہیں۔ لیکن یہ قدرت کی ایسی مقدار کو کہتے ہیں کہ جسے انسان بمشقت کر سکتا ہے۔ دراصل یہ لفظ اس طوق سے ماخوذ ہے جو کسی چیز کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے۔ **لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ** کے معنی یہ نہیں کہ جس کی ہمیں قدرت نہ ہو بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کا بجا لانا ہمیں دشوار ہو"۔

اس طرح عربی کی مشہور لغت لسان العرب ص 103 جلد 12 میں ہے کہ

"طاقت قدرت کی اس مقدار کا نام ہے جو کسی انسان کے لئے بہ مشقت کرنا ممکن ہو"۔

مفتی محمد عبدہ، اپنی تفسیر المنار ص 155 جلد نمبر 2 میں فرماتے ہیں۔

"اطاقتہ دراصل مکنت اور قدرت کے بالکل ادنیٰ درجہ کا نام ہے۔ چنانچہ عرب اطاقت الشیئی صرف اس وقت کہتے ہیں جب اس کی قدرت نہایت ہی ضعیف ہو۔ یعنی بدشواری اسے برداشت کر سکتا ہو۔ چنانچہ یطیقونہ' سے مراد بوڑھے' ضعیف اور اپاہج لوگ ہیں جن کے اعذار کے دور ہو جانے کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ لوگ ہیں جو ان

ہی کی طرح معذور ہیں یعنی ایسے کام کاج کرنے والے لوگ جن کی معاش خدا نے پرمشقت کاموں میں رکھ دی ہے۔ اسی بنا پر امام راغب نے لکھا ہے کہ طاقت قدرت کی اس مقدار کا نام ہے جس کا کرنا انسان کے لئے بمشقت ممکن ہو"۔

اس کی تائید تفسیر کشاف سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ :-

"طاقتہ کے مفہوم میں وہ کام آتے ہیں جنہیں بہ تکلیف یا بہ مشقت کیا جا سکے اور وعلی الذین یطیقونہ' سے مراد بوڑھے' مرد اور بوڑھی عورتیں ہیں۔ جن کے لئے روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا حکم ہے چنانچہ اسی بناء پر یہ آیت ثابت ہے منسوخ نہیں ہے"۔ (تفسیر کشاف ص 255 جلد نمبر1)

تفسیر روح المعانی میں ہے۔

"عربی زبان میں الوسع کا لفظ اس قدرت کا نام ہے جو سہولت کے ساتھ ہو اور طاقتہ کا لفظ اس قدرت کا نام ہے جو شدت اور مشقت کے ساتھ ہو۔ لہٰذا (آیہ زیر نظر) کے معنی یہ ہوں گے اور ان لوگوں پر جو شدت اور مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتے ہیں ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے"----- (روح المعانی ص 59 جلد نمبر2)

تصریحات بالا سے آپ نے دیکھ لیا کہ عربی زبان میں لفظ "طاقتہ" کا مفہوم کیا ہے اور اس بنا پر وعلی الذین یطیقون' کا ترجمہ-- اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں--- کر دینا کس قدر غلط فہمیوں کا موجب ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کا ترجمہ--- اور جو لوگ بدشواری روزہ رکھ سکیں-- کیا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ایک اصول بیان کر دیتا ہے اور ا... کے اجتماعی نظام پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اس ... جزئیات خود متعین کر لے۔ چنانچہ علی ال... یطیقونہ'میں بھی یہی اسلوب اجتماعی اختیار ... ہے۔ یہاں ایک اصول بیان کر دیا گیا ہے اور اس ... تفصیلات خود بیان نہیں کیں (کہ وہ لوگ کون ہیں ... بہ مشقت روزہ رکھ سکتے ہیں) اس کی تفاصیل پہلے بھی متعین کی جا چکی ہیں اور ان پر اب بھی غور ... جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی کی کتاب "جامع ا... القرآن" ص 268-269 جلد نمبر2 میں ہے کہ :

"تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں جو روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے یا شدید مشقت کے ساتھ طاقت رکھتے ہیں۔ ان کیلئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ ایسے لوگوں کے ذمے کیا ہے؟ چنانچہ امام ربیع اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ ان کے ذمے کچھ بھی نہیں ہے۔ البتہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر یہ لوگ روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں تو میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے اور حضرت انسؓ' ابن عباسؓ' قیس بن السائب اور ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے ذمہ فدیہ ہے۔ امام شافعیؒ اور اصحاب الرائے (حنیفہ) امام احمد اور امام اسحٰقؒ کا قول بھی یہی ہے۔ نیز ابن عباس کی روائت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ام ولد سے فرمایا جو حاملہ تھی یا بچہ کو دودھ پلا رہی تھی کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جو بمشقت روزے رکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا تیرے ذمے فدیہ ہے قضا نہیں"۔

مفتی سید محمد عبدہ' نے اور بھی اضافہ فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں :

"الذین یطیقونہ' سے یہاں مراد بوڑھے' ضعیف

اور اپاہج لوگ ہیں جن کے اعذار کے دور ہو جانے کی امید نہیں ہوتی۔ ایسے ہی وہ لوگ بھی ان کے زمرے میں شمار ہونگے جو مزدور پیشہ ہوں جن کی معاش خدا نے پرمشقت کاموں میں رکھ دی ہے۔ مثلاً کانوں سے کوئلہ نکالنے والے اور وہ مجرم جن سے قید خانوں میں مشقت کے کام لئے جاتے ہیں اور جن پر روزہ رکھنا گراں ہو--- تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن پر کسی ایسی وجہ سے جن کے دور ہو جانے کی کوئی امید نہ ہو۔ روزہ رکھنا گراں گذرتا ہو جیسے بڑھاپا۔ اور پیدائشی کمزوری اور ہمیشہ محنت کے کاموں میں مشغولیت اور پرانی بیماری جس کے اچھا ہونے کی امید نہ ہو۔ ایسے ہی وہ شخص جس کی مشقت کا سبب ہوتا رہتا ہے جیسے حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت۔ ان سب لوگوں کیلئے جائز ہے کہ وہ روزہ کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ اتنا کھانا جو ایک اوسط درجے کی خوراک کے آدمی کا پیٹ بھر سکے"۔ (تفسیر المنار ص 155-157 جلد نمبر2)

ان تفاصیل سے حسب ذیل فہرست مرتب ہو جاتی ہے:

-1 بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت

-2 حاملہ عورتیں

-3 دودھ پلانے والی عورتیں

-4 اپاہج اور معذور لوگ

-5 پرانی بیماریوں والے جن کے اچھا ہونے کی امید نہ رہے اور وہ ان کی وجہ سے روزہ بمشقت رکھ سکیں۔

-6 ایسے کمزور لوگ جو خلقی اور پیدائشی طور پر (Constitutionaily) کمزور پیدا ہوئے ہوں۔

-7 وہ مزدوری پیشہ لوگ جن کی معاش ہمیشہ پرمشقت کاموں میں ہوتی ہے مثلاً کانوں میں کام کرنے والے کارخانوں میں کام کرنے والے یا رکشہ چلانے والے۔

-8 وہ مجرم جن سے جیل میں مشقت کے کام لئے جاتے ہوں۔

یہ فہرست جامع اور مانع نہیں۔ بحالات موجودہ اپنے اپنے حالات کے مطابق اس میں اضافہ ہو سکتا ہے' اصول یہی ہے کہ جو شخص بہ مشقت روزہ رکھ سکے وہ روزہ نہ رکھے۔

یہ ہیں روزوں کے متعلق مختصر الفاظ میں قرآن کے احکام۔ ان آیات کو آپ خود بھی قرآن کریم میں دیکھ لیں۔ (یعنی سورۂ بقرہ آیات نمبر183 تا 188)

عید کارڈ

ادارہ نے اس سال بھی عید کارڈ چھپوائے ہیں' جنہیں ہر جگہ استعمال کیا جا سکے گا۔ قیمت 6 روپے فی کارڈ علاوہ محصول ڈاک ہو گی۔ کھاتہ داران اپنے کھاتوں سے اور غیر کھاتہ داران رقم بھجوا کر یا بذریعہ VPP جتنے کارڈ درکار ہوں وقت پر منگوا لیں۔

RUPEES SIX PER CARD
PLUS POSTAGE

ناظم ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقد و نظر

نام کتاب :- ماہنامہ کنزالایمان اگست 95
اشاعت خصوصی :- تحریک پاکستان نمبر
صفحات :- 264
قیمت :- 50 روپیہ علاوہ محصول ڈاک
ملنے کا پتہ :- ماہنامہ کنزالایمان -- دہلی روڈ -- صدر بازار' لاہور چھاؤنی

پاکستان بننے کے بعد "تحریکِ پاکستان" کے حوالہ سے مختلف کتُب و رسائل شائع ہوئے ہیں لیکن جریدہ کنزالایمان کی اس خصوصی اشاعت کا انداز منفرد ہے۔ اس میں نہ صرف یہ کہ ان عظیم راہنماؤں اور کارکنوں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے جن کی جُہدِ مسلسل سے پاکستان کا قیام ممکن ہوا' بلکہ ان قوم پرست علما اور مذہبی جماعتوں کو بھی بے نقاب کیا گیا جو آخری دم تک پاکستان کی مخالفت کرتے رہے لیکن تاریخ کو مسخ کر کے آج انہیں قومی ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ اسی اشاعت میں قائداعظمؒ اور قرآن کے عنوان سے بھی ایک مضمون شامل ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قائداعظمؒ قرآن کے کس قدر شیدائی تھے۔

فہرست مضامین دیکھ کر ہمیں مایوسی ہوئی کہ تحریک پاکستان کی یہ کیسی داستان ہے جس میں طلوع اسلام کا ذکر نہیں لیکن تحریک پاکستان کے ساتھ تحریک طلوع اسلام کی یہ نسبت دیکھ کر گونا تشفی ہوئی کہ تحریک پاکستان نمبر کے مرتبین نے جن اسناد کو اپنی تحقیق کا مدار بنایا ہے ان میں سے 107 براہ راست ماہنامہ طلوع اسلام (دہلی) سے لی گئی ہیں اور جن کتب و رسائل سے مواد جمع کیا گیا ہے ان کا انحصار بھی کسی حد تک طلوع اسلام کی فائلوں پر ہی رہا ہے۔

ہر چند کہ ماہنامہ کنزالایمان جماعت اہلسنّت کا ترجمان اور فکرِ رضا کا امین ہے' لیکن تحریکِ پاکستان کے حوالے سے اس نے جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھ کر بے اختیار زباں پر فیض احمد فیض کا یہ شعر آجاتا ہے۔

ہم نے جو طرزِ فغاں کی ہے قفس میں ایجاد
فیضِ گلشن میں وہی طرزِ بیاں ٹھہری ہے

اپنی خصوصی نوعیت کے لحاظ سے کنزالایمان کا یہ خصوصی نمبر ایک قابل قدر کوشش اور حوالہ جات کا ایک گراں بہا خزانہ ہے جس کی ایک کاپی ہر بزم کی لائبریری میں ہونی چاہئے۔

-------------- -:- --------------

پاکستان میں
علامہ غلام احمد پرویزؒ
کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1- ایبٹ آباد	234 کے- ایل کیہال- رابطہ: شیخ صلاح الدین	ہر روز	عندالطلب
2- ایبٹ آباد	234 کے- ایل کیہال- رابطہ: مسز گل بہار	منگل	3 بجے
3- ایبٹ آباد	K/355 کنج روڈ- رابطہ: غلام مصطفیٰ اعوان	جمعتہ المبارک	10 بجے صبح
4- بورے والا	بر مکان محمد اسلم صابر- مرضی پورہ گلی نمبر5- رابطہ فون: 2438	پہلا اور تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
5- پشاور	دفتر جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ- کابلی بازار- رابطہ: 270737	ہر بدھ و جمعہ	5 بجے شام
6- پشاور	بر مکان ابن امین فقیر آباد	جمعتہ المبارک	4 بجے شام
7- پیر محل	مکان نمبر 140/139- مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	9 بجے صبح
8- پنج کسی	بر مطب حکیم احمد دین	جمعتہ المبارک	3 بجے سہ پہر
9- جہلم	بر مکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد، جی- ٹی روڈ	جمعتہ المبارک	4 بجے شام
10- جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
11- چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر ہٹہ بازار	جمعتہ المبارک	بعد نماز جمعہ
12- چک 215 ای- بی	بر مکان چوہدری عبدالحمید	جمعتہ المبارک	8 بجے صبح
13- حیدر آباد	گولڈن سینٹری، عثمان آباد	جمعتہ المبارک	10 بجے صبح
14- حیدر آباد	B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر	جمعتہ المبارک	بعد نماز عصر
15- ڈی- جی خان	بلاک G- کچہری روڈ، رابطہ انیس الرحمان فون: 61519	جمعتہ المبارک	9 بجے صبح
16- رجانہ	بر مکان چوہدری ایس- ایم صادق، مین بازار	ہر ماہ تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
17- راولپنڈی	بمقام 4385/47-E اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوالمنڈی راولپنڈی فون: 74752	جمعتہ المبارک	3.30 بجے شام
18- سرگودھا	60- اے سول لائنز، ریلوے روڈ- رابطہ فون: 720083	جمعتہ المبارک	9 بجے صبح
19- سیالکوٹ	محمد افضل خلجی، ایبٹ روڈ- رابطہ فون: 263252	پہلا اور دوسرا جمعہ	8 بجے صبح
20- فیصل آباد	23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک- فون: 720096	ہر جمعتہ المبارک	5 بجے شام
21- کراچی	• چمن زاہد 19- بی بلاک 13- ڈی گلشن اقبال مقابل اردو سائنس کالج رابطہ خالد گل فون: 539798	جمعتہ المبارک	9-30 بجے صبح

شہر	مقام	دن	وقت
22- کراچی	مکان 16 گلشن مارکیٹ' 36/C ایریا کورنگی 5 رابطہ : محمد سرور' فون : 312631	جمعتہ المبارک	11-30 بجے صبح
23- کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ ایاز حسین انصاری رابطہ فون : 4571919	جمعتہ المبارک	10 بجے صبح
24- کراچی	برمکان محمد یونس 1206- گلی 10- اے' 36-G' شریف کالونی۔ لانڈھی رابطہ : فون : 312631	اتوار	8 بجے شب
25- کوہاٹ	برمکان شیر محمد' نزد جناح لائبریری	جمعتہ المبارک	8 بجے صبح
26- کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ	جمعتہ المبارک	4 بجے سپہر
27- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ' سول لائنز	جمعتہ المبارک	بعد از نماز جمعہ
28- گجرات	مرزا ہسپتال' کچہری روڈ	جمعرات	3 بجے
29- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	جمعتہ المبارک	9-30 بجے صبح
30- لیہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	جمعتہ المبارک	بعد نماز مغرب
31- ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	جمعتہ المبارک	9 بجے صبح
32- ماموں کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب	جمعتہ المبارک	بعد نماز جمعہ
33- اوکاڑہ	برمکان میاں محمد سعید مکان 116 گلی 6 سیٹھ کالونی نمبر 2 رابطہ فون : 3660	ہر جمعتہ المبارک	9-30 بجے صبح
34- واہ کینٹ	برمکان محمد داؤد' کوارٹر نمبر 19E/119	بدھ	بعد نماز عصر

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی دستیاب ہے۔
تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔
جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

HAS THE SUBSCRIPTION FOR 1996 BEEN PAID
IF NOT
PLEASE PAY THE SAME IN JANUARY 96

ABROAD

DARS-E-QURAN

(Recorded Lectures of Allama Parwez (r)

BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

1. **CANADA**
   716 The West Mall,Suit 1804
   Etobicoke, ONT (416) 620-4471
   — First Sun 11AM

2. **DENMARK**
   Herninggade 8.st th.,
   2100 Copenhagen 0
   — Last Sat 2 PM

3. **Kuwait**
   Flat No. 6, Floor No. 3
   Taher Bu Hamad Building Oppsite Al-Othman Mosque,
   Hawally, Kuwait
   — Friday 5.PM

4. **NORWAY**
   Akeberg Veien-56, Oslo-6
   Galgeberg, 4th floor
   — 1st Sun 4PM

5. **UNITED KINGDIM**

   (i) Birmingham
   229 Alum Rock Road
   — Sunday 3PM

   (ii) London
   76 Park Road Ilford Essex
   Phone 081-553-1896
   — 1st Sun 2:30PM

   (iii) Yardley
   633 Church Road, Yardley, Birmingham
   B33 8HA (Phone 021-628-3718)
   — Last Sun 2PM

   (iv) Essex
   50 Arlington Road, Southend-on-Sea
   ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819
   — 2nd Sun 3PM

   (v) Yorkshire
   Cardigan Community Centre
   145-49 Cardigan Road LEEDS-6
   Contact M. Afzal Phone 0532-306140
   — 1st Sun 3PM

Dars-e-Quran
Oslo (NORWAY)
— Thursday 21:00PM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبصرہ و تعارف

"مزاج شناس رسولؐ"

جب سیاست مذہب کا نقاب اوڑھ کر آتی ہے تو انسانیت کے لیے کس قدر خطرناک ہوتی ہے اس کا اندازہ وہ لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے تاریخ مذہب و سیاست کا مطالعہ کیا ہے۔ اس وقت نہ کسی کی جان محفوظ ہوتی ہے نہ مال' نہ عزت محفوظ ہوتی ہے نہ آبرو' نہ عقائد محفوظ رہتے ہیں نہ حقائق اور نہ علم باقی رہتا ہے نہ بصیرت۔ مذہبی پیشوائیت کا مقدس فولادی شکنجہ ہوتا ہے اور جسد انسانیت۔

ایک بار پھر پاکستان میں اس قسم کی سیاست' مذہب کے نقاب میں آگے بڑھ رہی ہے۔ "دینی" جماعتوں کے اتحاد کی خبریں آئے دن چھپتی رہتی ہیں۔ سادہ لوح مسلمان' جسے مذہب سے بڑی محبت ہے' اسے قیام شریعت کی مخلصانہ جدوجہد سمجھ کر اس کا ساتھ دے رہا ہے اور اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ اس دھوکے میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اور آنے والی نسلوں کے لئے کتنے بڑے مہیب خطرے کی پرورش کر رہا ہے۔

ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے "طلوع اسلام ٹرسٹ" نے **محترم رشید احمد بٹ (پنشنر) بزم طلوع اسلام لیڈز** کے تعاون سے نایاب کتاب

"مزاج شناس رسولؐ"

کی طباعت نو کا اہتمام کیا ہے۔ اس کی تیاری کا کام جاری ہے۔

اگر آپ جذبات کو الگ رکھ کر ٹھنڈے دل سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ فی الواقعہ یہ کتنا بڑا دھوکہ ہے جو مذہب پر فریفتہ ہو جانے والے مسلمانوں کو دیا جا رہا ہے اور اس کے نتائج اسلام اور پاکستان کے لئے کس قدر تباہ کن ہیں کیونکہ درحقیقت

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؓ

مینیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک گذارش!

آپ میں سے اکثر قارئین اس امر سے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ مفکر قرآن علامہ پرویزؒ تحریر و تقریر ہر دو میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔

قرآن کریم کی تشریح و تبلیغ ان کی زندگی کا مقصد تھا اور ہزارہا صفحات' ان کی محنت شاقہ کے غماز ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے اولاً" کراچی اور بعدازاں لاہور میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ زندگی کے آخری سال تک درس کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا اور درس قرآن کا دوسرا دور سورہ مطففین تک ہی پہنچ سکا تھا کہ وہ اپنے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ خصوصی درس اس کے علاوہ ہیں۔ طلوع اسلام ٹرسٹ نے سینکڑوں ٹیپ محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور اب سپولز سے آڈیو میں نیا سیٹ تیار کرنے کا کام بھی تیزی سے جاری ہے۔

متلاشیان حق کی مزید سہولت کے لیے ہر درسِ قرآن کے عنوانات قائم کرنے کا اہم کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ سردست اسے ماہنامہ طلوع اسلام میں آئندہ ماہ سے قسط وار شائع کیا جائے گا اور بعدازاں یہ انڈکس کتابی شکل میں چھاپنے کا پروگرام ہے۔ اس سلسلے میں آپ سے خصوصی اپیل یہ ہے کہ آپ نے کسی درس کو قبل ازیں عنوان دے رکھا ہو تو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ یہ انڈکس زیادہ سے زیادہ مفید بنایا جا سکے۔ اس کے لیے ہمارا پیشگی شکریہ قبول فرمایئے۔

خلوص کیش

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ